تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

۱۰/اگست ۲۰۰۳ء

کیا یونیفارم سول کوڈ جنگ وجدل کو روک سکتا ہے؟

ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کی وحدت کیلئے، سالمیت کیلئے اور مشترک وطنی شعور کیلئے ضروری ہے کہ ایک مشترک واحد عائلی قانون (Uniform Civil Code) نافذ ہو، تو میں ایک سیدھی سی بات پوچھتا ہوں، اسکول کا بچہ بھی اس کا جواب دے سکتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم جو ہوئی تھی، وہ اصلاً وابتداً برطانیہ اور جرمنی کے درمیان ہوئی تھی، جرمن اور انگریز دونوں نہ صرف یہ کہ کرسچین ہیں بلکہ پروٹسٹنٹ بھی ہیں، اور ان کا عائلی قانون بالکل ایک ہے، یہ کوئی بھی شخص معلوم کرسکتا ہے کہ جہاں تک عیسائی قانون کا تعلق ہے، ایک ہے، پھر یہ دونوں دشمنوں کی طرح کیوں لڑے؟ اگر یونیفارم سول کوڈ جنگ کو روک سکتا ہے اور نبرد آزمائی اور تصادم سے باز رکھ سکتا ہے تو اس کو وہاں روکنا چاہئے تھا، پھر دوسری جنگ عظیم کا بھی یہی حال تھا کہ کرسچین اور پروٹسٹنٹ جن کی تہذیب بھی، عائلی قانون بھی بلکہ معاشرت بھی ایک ہے، وہ اس طرح سے لڑے جیسے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں، آپ عدالتوں میں بھی جاکر دیکھ آیئے کہ جو مقدمے آتے ہیں، مسلمان مسلمان کے خلاف مدعی ہے، مسلمان مسلمان کا مدعی علیہ ہے، اور مسلمان مسلمان کی عزت کو خاک میں ملا دینا چاہتا ہے، اس کے گھر پر ہل چلا دینا چاہتا ہے ان دونوں کا عائلی قانون بھی ایک ہے، بعض اوقات تو خون بھی ایک ہوتا ہے، دونوں فریق ایک نسل ایک خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، درحقیقت اختلافات اور دشمنیوں کا تعلق انسانیت سے، دولت پرستی کے جنون سے ہے، نفس پرستی اور مادیت سے ہے، اس غلط نظام اور نصاب تعلیم سے ہے، جس نے اخلاقیات کو یکسر نظر انداز کردیا ہے، اس کا تعلق ہرگز عائلی قانون کے اختلاف سے نہیں ہے، یہ میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں اور چیلنج کرتا ہوں کہ عائلی قانون ایک ہوجانے سے اخلاقی صورت میں قطعاً ایک ذرہ کا فرق بھی نہیں پڑے گا، پھر کیوں بار بار اس کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ یونیفارم سول کوڈ ہونا چاہئے، تاکہ آپس میں اتحاد والفت پیدا ہو۔

(مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

71-

Regd. No- LW/NP/63

July 2003

Fortnightly

Tameer-e-Hayat

Nadwatul Ulama, Lucknow-226 007

R.N.I. No- UP.URD/2001/6071

Vol.2, Issue No: (9)

صفحات:—۱۸۸ قیمت:—۶۰ روپے

حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دلآویز وفکر انگیز مضامین کا مجموعہ

نقوش سیرت

از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

ملنے کا پتہ:

مکتبہ حسنی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی میموریل سنٹر، حیدرآباد

Ist Floor A.N.S.Plaza Beside Mallepally Mosque

Hyderabad-500001

CHIKAN SQUARE

چکن کپڑے کا شوروم

چکن امپوریم

تقریبات کے موقع پر آپ کی خدمت کے لئے حاضر

Chikan Square

Exclusive Chikan, Party Wear & Handicraft

7, Subhash Marg, Near C.S.M.M.U, Lucknow-3

Ph : 2266491 Mobile 9415025056

e-mail : chikansquare@yahoo.com

Ph. Nos 2260433- 2242946

جدید و دلکش سونے چاندی کے زیورات کے لئے

ہمارے شوروم میں

آپ کا خیر مقدم ہے

گہنہ پیلیس

Gahna Palace

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں محمد معروف خاں

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ

طلباء اور تاجران کتب کے لئے خاص رعایت

ہر قسم کے قرآن مجید مترجم، غیر مترجم، حمائل، قاعدے پارے، چپ سورے، عربی، فارسی، اردو کی درسی غیر درسی نیز ہائی اسکول انٹر، جامعہ اردو علی گڑھ کی گائیڈ اور گیس پیپر وغیرہ بہترین اور مناسب قیمت میں ہم سے طلب کریں۔

نوٹ: آپ اپنی ضرورت کی کتب بذریعہ ڈاک بھی طلب کرسکتے ہیں۔

تاج

اسلامک جنتری دستیاب ہے

طلب کریں۔ قیمت..۵۱

تاج بکڈپو، اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ

Shop: 2216948

Resi : 2227443

ریڈی میٹ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز

اعلیٰ کوالٹی جدید ترین فیشن کے ساتھ

Shirts, Trousers, Coat-Suits, Embroidered, Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gowns & Ties.

شادی بیاہ، تیوہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ۔ تشریف لائیں

men mark®

58, Halwasia Market, Hazrat Ganj, Lucknow

کبدون

- پیلیا، جگر اور
- پتہ کے ورم،
- کزوری، ڈرڈ اور
- چھری کا بے نظیر سیرپ

حسنی فارمیسی

چشمہ ساگر

AUTO REFRECTO METER AR-360

ایک بار خدمت کا موقع دیں

آپٹیشن: اے۔ رحمٰن (علیگ)

Office Ph. No 2787250 (Ext.) 18, Guest House - 2323864 Fax No- 0522-2787310, 2788378

Printed And Published by *Athar Husain* on behalf of Nadwatul Ulama at Parekh Press Tagore Marge, Lucknow-U.P.

Editor : *Shamsul Haq Nadwi*

تعمیر حیات لکھنؤ

جلد نمبر ۴۰ پندرہ روزہ اشاعت کے ۴۰ ویں سال شمارہ نمبر ۱۹

۱۰ اگست ۲۰۰۳ء مطابق ۱۱ جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نگران خصوصی:

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی

(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

(معتمد مال، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام

مولانا شمس الحق ندوی

معاون

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

رئیس التحریر

امین الدین شجاع الدین

معاون

محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

- مولانا نذر الحفیظ ندوی
- مولانا عبداللہ حسنی ندوی
- مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

زرتعاون

سالانہ -/۱۵۰ ——— فی شمارہ -/۷

ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک -/۳۵ ڈالر

- ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام سے بنائیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayaat

Post Box No. 93, Nadwatul Ulama Lucknow-226007

فون (دفتر) 18 2787250 (Ext) مہمان خانہ (0522) 2740151

Website : www.nadwatululama.org

e-mail : Nadwa@sancharnet.in

thetameer-e-hayat@nadwatululama.org

- مضامین ومندرجات سے متعلق سارے امور میں رئیس التحریر سے خط وکتابت کی جائے اور انتظامی امور میں مدیر عام سے رجوع کریں۔

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے پارکھ آفسیٹ پرنٹنگ پریس، نیگور مارگ، لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس شمارے میں

بسم الرحمن الرحیم		
رئیس التحریر کی میز سے	ا ش	۲
اداریہ		
✿ سچی بات تعمیر حیات کی فائل ہے	مولانا عبداللہ عباس ندوی	۳
✿ مولانا ابوالکلام آزاد اور تخلیقی ادب	مولانا ابوالمحفوظ الکریم معصومی	۴
تعمیر سیرت		
✿ سیرت واخلاق کی تعمیر میں حدیث کا کردار	مولانا محمد رابع حسنی ندوی	۶
اعجاز قرآن		
✿ قرآن مجید ایک معجزہ	مولانا عبداللہ عباس ندوی	۷
تعلیم الحدیث		
✿ حقیقت توحید	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	۹
عظمت رفتہ		
✿ بیت الحکمۃ	جناب شاہد عمادی	۱۰
مینارۂ نور		
✿ حضرت عمرؓ کی جرأت ایمانی	پروفیسر احتشام احمد ندوی	۱۲
تذکیر وموعظت		
✿ امام اعظمؒ کی وصیتیں	محمد ناظم الدین قاسمی	۱۵
گوشۂ ادب		
✿ ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم	پروفیسر محسن عثمانی ندوی	۱۶
حق کی روشنی		
✿ جب نور ظلمتوں پر غالب آگیا	مولانا شمس الحق ندوی	۲۰
فکر ابوالحسن علی ندوی		
✿ سید ندویؒ کی اقبال شناسی	ڈاکٹر تابش مہدی	۲۱
عالم اسلام		
✿ صدام حسین کی مخالفت کیوں؟	مولانا نذر الحفیظ ندوی	۲۴
بصائر وعبر		
✿ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے	محمد الیاس ندوی	۲۷
اصلاح معاشرہ		
✿ ولادت کے بعد اذان واقامت	مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری	۲۹
کتابوں کی دنیا		
✿ ''تنہا شجر'' ایک تاثر	جناب صادق حسین پُر خاصوی	۳۰
فقہ وفتاویٰ		
✿ فقہی سوال وجواب	مفتی محمد طارق ندوی صاحب	۳۱
✿ عالمی خبریں	سید معید اشرف ندوی	۳۲

دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ اس شمارہ کے ساتھ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے، ازراہ کرم سالانہ زرتعاون ۱۵۰ روپے ارسال فرما کر ممنون کریں۔

فکر امروز

وہی قانون باقی رہ سکتا ہے
جو مبنی بر انصاف اور فطرت سے ہم آہنگ ہو

ایک مشہور برطانوی ماہر قانون بوڈن ہیمر (E. Bodenheimer) نے فلسفۂ قانون اور اس کی سماجی اہمیت سے بحث کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ ہماری آنکھ کھولنے اور حقیقت پسندی سے کام لینے کے لئے کافی ہے، وہ کہتا ہے:

''کسی قانونی نظام سے جس کا منشا زندگی میں یکسانیت پیدا کرنا ہو، لوگوں کے ایک بڑے طبقہ میں یہ تأثر پیدا ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا، تو اس قانون کو ٹوٹنے یا اس سے بچنے سے محفوظ رکھنا حکومت کے ذمہ داروں کے لئے انتہائی مشکل ہوگا، لوگ کسی ایسے قانون کو زیادہ دنوں تک برداشت نہیں کر سکتے، جسے وہ نامناسب یا ناقابل برداشت سمجھتے ہوں، جو حکومت اس قسم کے نظام قانون کو برقرار رکھنے پر مصر ہو، اسے اس کو نافذ کرنے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا، اس لئے کوئی نظام جس کی بنیاد انصاف پر نہ ہو غیر محفوظ اور پُرخطر ہوگا، جیسا کہ جان ڈکنس نے کہا:

''ہمیں کسی عام اور متعین ضابطہ کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ایسے ضابطہ کی جس کی بنیاد انسانی ضرورت اور صلاحیت پر ہو، ورنہ وہ نظام قابل عمل نہ ہوگا، جو قانون منصفانہ اقدار اور اندرونی رجحانات کی خلاف ورزی کرے گا، ہمیشہ اس کی خلاف ورزی کی جائے گی، اور وہ اتنا ناپائیدار ہوگا کہ اس کا جواز ہی ختم ہو جائے گا''۔(۱)

پھر ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یکسانیت اور اتحاد پیدا کرنے کے لئے اگر کوئی قانون کسی آبادی کے کسی عنصر، ملک کے کسی فرقہ اور کسی مذہب کے ماننے والوں کے بنیادی عقائد سے متصادم ہے، تو وہ اتحاد باہمی تعاون، ملک کی تعمیر وترقی میں گرم جوشی وخلوص اور سکون ومسرت کا احساس پیدا کرنے کے بجائے، مزید انتشار، بے دلی یا نیم دلی، بلکہ مجبوری اور غلامی کا وہ احساس پیدا کر سکتا ہے، جو کسی آزاد ملک یا متحدہ قومیت کے لئے جذام اور کوڑھ سے کم نہیں۔

(ماخوذ از: خطبۂ صدارت، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، اجلاس کانپور، ۱۹۸۹ء)

(۱) E. Bodenheimer, Jurisprudence, Harvard, 1967, P-2

بسم اللہ

قارئین کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

یہ شمارہ جس وقت آپ کے ہاتھوں تک پہونچے گا، ہمارا ملک آزادی کی سالگرہ کا جشن منا رہا ہوگا..... جشن منانے کے ساتھ ساتھ سچے اور مخلص محبان وطن، اہل وطن کو اس بات کی دعوت فکر بھی دے رہے ہوں گے کہ یہ وقت 'اپنا احتساب آپ' کرنے کا بھی ہے اس لئے کہ خود احتسابی زندہ قوموں کا شعار رہا ہے..... کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے پڑھنے والے ہم مسلمان اس ملک میں سب سے بڑی اقلیت ہے بلکہ اس بات کو یوں کہنا چاہئے کہ الحمدللہ ہم اس ملک کی دوسری بڑی اکثریت ہے.... حصول آزادی پر نصف صدی سے زائد کا عرصہ بیت جانے پر جب ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ ہزار دقتوں کے باوجود الحمدللہ ملت کا کارواں آگے کی طرف بڑھا ہے اور بڑھ رہا ہے..... ہم یہ بات یوں ہی نہیں کہہ رہے ہیں آپ خود بھی ذرا غور فرمائیں مثال کے طور پر حصول آزادی کے وقت ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہمارے تعلیمی ادارے کتنے تھے اور اب کتنے ہیں؟ زبان حال سے اللہ کی کبریائی بیان کرتے ہوئے مساجد کے مینارے پہلے کتنے تھے اور اب ان کی تعداد کیا ہے؟ تو اپنے وجود وبقاء کے لئے، اپنی تعمیر وترقی کے لئے اور اپنی شناخت وتشخص کے لئے ملت سے جو کچھ بن پڑا، اپنے رب کی توفیق سے اس نے کر دکھایا اور اس حال میں کر دکھایا کہ حالات برہم تھے، نامساعد تھے۔ آزادی سے قبل کی تاریخ کو تو جانے دیجئے، اس کے بعد کی تاریخ پر سرسری نگاہ ڈال لیجئے، اس کے صفحات کو بھی آپ جبل پور جمشید پور راوڑکیلا سے لے گجرات کے نسل کش فسادات کی خونچکاں داستانوں سے رنگین پائیں گے، اس سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ دوسرے کئی ایک محاذ ایسے بھی رہے جہاں ملت اپنی توانائیاں کو دفاع اور مدافعت پر لگانے کے لئے مجبور رہی لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے ''سخت جان'' ہونے کا ثبوت دیا اور اسلامی غیرت اور ملی حمیت کا کبھی سودا نہیں کیا..... ناموافق حالات میں ''دفاع'' کے ساتھ ساتھ ملت کے ''اقدام'' کی یہ صلاحیت اس بات کا اشارہ دیتی ہے کہ مشیت الٰہی کو منظور ہے کہ اس ملک میں مسلمان داعیانہ پیغام کے ساتھ جئیں، اپنے حقوق کی بازیابی کے لئے ضرور کوشاں رہیں، انہیں حسب معمول جمہوری، دستوری اور قانونی رنگ بھی دیں، لیکن کیا آپ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیں گے کہ خدارا اس میں بس ایک رنگ کا اور اضافہ کرلیں اور وہ رنگ ہے داعیانہ رنگ..... اس کی ایک مثال اسلام کا عائلی قانون ہے۔ جس قانون الٰہی کی افادیت ونافعیت کو دو اور دو چار کی طرح اگر سمجھا دیا جائے تو جن کی فطرتیں خدانخوستہ مسخ نہیں ہوئی ہیں اور جن کے دلوں پر مہریں نہیں لگی ہیں وہ بے ساختہ پکار اٹھیں گے کہ اسلام ہی دینِ فطرت ہے۔ (صبغۃ اللہ ھی احسن)

مشکل یہ ہوگئی ہے کہ ہم نے اسلام کو میراث سمجھ کر اس کی حفاظت کی کوششیں تو کی (تحریک تحفظ شریعت جس کی ایک مثال ہے) لیکن اسلام کو امانت سمجھ کر جتنا کچھ اور جیسا کچھ کیا جانا چاہئے تھا، اس میں ہم سے کوتاہیاں ہوئیں اور ہو رہی ہیں..... ''دین میراث ہی نہیں امانت بھی ہے'' یہ وہ اصول ہوسکتا ہے جو ہمارے فریق میں ضد وعناد نہیں بلکہ رغبت ومحبت پیدا کرے گا، اللہ کی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں کہ یہ وہ سرزمین ہے جہاں سے میر عرب کو ٹھنڈی ہوائیں پہونچی تھیں۔

آج ہی ندوہ کے جمالیہ ہال میں مخدوم ومربی مولانا عبداللہ عباس ندوی کا ''مقامات حجۃ اللہ'' کے موضوع پر ایک اہم اور بیش قیمت محاضرہ ہوا، انشاء اللہ اس باوقار علمی مجلس سے متعلق آئندہ شمارہ میں آپ سے کچھ باتیں کی جاسکیں گی۔

اللہ کرے آپ ہر طرح بخیر وعافیت ہوں۔

والسلام

آپ کا بھائی

امین شجاع

ندوہ

۷/اگست ۲۰۰۳ء

(مولانا) عبداللہ عباس ندوی

سچی بات

سب سے سچی بات اللہ کی ہے۔

﴿إن الملكوك إذا دخلوا قرية أفسدوها وجعلوا أعزة أهلها أذلة و كذلك يفعلون﴾

(والیان ملک (کا قاعدہ ہے کہ) جب کسی بستی میں (مخالفانہ طور پر) داخل ہوتے ہیں تو اس کو تہ وبالا کردیتے ہیں، اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت دار ہیں ان کو ذلیل کیا کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے)

غم اس کا نہیں کہ صدام حسین کے دو جوان بیٹے ہلاک کردیئے گئے، البتہ احساس کی آنکھیں یہ منظر دیکھتی ہیں کہ دو کڑیل جوان، حکمراں تو نہیں لیکن حکمراں کے شہزادے، ناز ونعمت کے پلے، کھاتے پیتے، ناچتے اور گاتے، خدا سے بے نیاز، دین سے بے پرواہ، اخلاقیات سے نابلد، جیسے بھی رہے ہوں، مگر مرتے وقت جب ان کی آنکھیں باہر نکل آئی ہوں گی، جبڑے توڑے گئے ہوں گے، پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنا انجام دیکھ رہے ہوں گے، اس وقت ان پر کیا گذر رہی ہوگی! ان کی ماں کو جب زبردستی ٹی وی کے پردے پر ان کی لاشیں دکھائی گئی ہوں گی تو پتھر کا دل بھی پانی ہوگیا ہوگا۔ اس کی بیوی اور بچے ایک سکتہ کے عالم میں ہوں گے، دل کی دھڑکن بڑھنے کے بجائے ڈوب رہی ہوگی، خون جسم سے خشک ہوگیا ہوگا، فطرت بشری ان کی آنکھوں کو اوپر کی جانب پھیر رہی ہوگی، جس خدا کو ماننے اور اس کے قانون انتقام کا مضحکہ اڑانے والے، اور اسلام کو عجائب خانوں کی الماریوں میں بند کرنے والے زمین میں دھنس رہے ہوں گے، تو ان کے احساسات کا کیا عالم ہوگا؟

یوں تو ہزاروں نہیں ان سے کہیں زائد دسیوں ہزار جوان ان کی چشم ابرو کے اشارہ پر ہلاک ہو چکے ہوں، مگر آج جب خود ان پر پڑی تو کیا گزر رہی ہوگی، ایک ایک لمحہ کتنا بھیانک ہوگا، ایک ایک سانس کتنی بھاری ہوگی، آج باری صدام حسین کے بیٹوں کی تھی کل دیکھئے کس کی ہو، مگر بغداد کی سڑکیں تاریخ کے صفحات بھی تو ہیں، ابھی چند دن کی بات ہے میری زندگی شاہد ہے، جب بغداد کی سڑکوں پر فیصل ثانی اور عبدالالہ کی لاشیں موٹر کے پیچھے باندھی گئیں اور جب ان کو کھڈ میں پھینکا گیا تو ایک گوشت کا لوتھڑا تھا، جب دنیا میں یہ سب ہوسکتا ہے تو مالک یوم الدین کا حکم لازوال جب حرکت میں آئے گا تو کتنے صدام حسین اور کتنے صدام حسین کی اولاد چشم سر سے دیکھ رہی ہوں گی۔

﴿ولله الأمر من قبل ومن بعد﴾

''پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا اور پیچھے بھی''

✿✿✿

تعمیر حیات کی فائل سے

مولانا ابوالکلام آزاد

اور تخلیقی ادب

مولانا ابومحفوظ الکریم معصومی، کلکتہ

یہ حسن اتفاق ہے کہ مولانا آزاد کی شخصیت چھ سات برس کی عمر ہی سے کلکتہ میں پروان چڑھی، اردو زبان کی حرف شناسی سے لے کر زبان وادب کے رنگا رنگ تار و پود اور ہیئت و مواد تک سے مولانا کا تمام تر رشتہ اسی گہوارے میں استوار ہوا۔ اردو حرف شناسی بھی کسی معمولی اتالیق کے بجائے خود حضرت خیر الدینؒ نے شروع کرائی تھی جن کی بابت کہا جاسکتا ہے کہ لال قلعہ کی زبان یا اردوئے معلیٰ کے گنے چنے آثار میں خود ایک زندہ یادگار کی حیثیت رکھتے تھے یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ بنگال جس کی اردو کا مرزا غالب نے کبھی مذاق اڑایا تھا، اس کی نمناک فضا میں آزاد کی شخصیت نے نشو و نما پائی، جس کو اردو زبان وادب کی دنیا ایک زبان ہر کر برگزیدہ اور تاریخ ساز قرار دیتی ہے۔

بہر حال مولانا آزاد کی اردو بنیادی طور پر ان کے والد ماجد کی منت کش ہے، جن کے مستند اہل زبان ہونے میں شبہ نہیں کیا جاسکتا، لیکن حرم شریف کے طولانی قیام اور عربوں سے اختلاط کے سبب خود مولانا خیر الدین کی زبان بہت زیادہ عربی آمیز ہو چکی تھی۔

ایک فقرہ ان کی اردو کا نمونہ کے طور پر ملاحظہ کیجئے:

''اے عزیز وافر تمیز! یہ اور ادخیور یہ و ظائف مسرور یہ، دفع ظلمات کے لئے مصباح ہیں، فتح فتوحات کے لئے مفتاح ہیں، شب عموم و ہموم کیلئے اصباح ہیں،'' (اورادخیور یہ، مطبوعہ ہادی المطابع، کلکتہ ص ۹)۔

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ بچپن میں مولانا آزاد کے ساتھ ذہن پر جس انداز کی اردو نے قبضہ جمایا ہوگا، اس کا پیرایہ اس قسم کے لفظیات کو اپنے تانے بانے میں سمیٹے ہوئے تھا، پھر ہمیں معلوم ہے کہ عربی مولانا کی مادری زبان تھی اور حرمین شریفین کے عربی ماحول میں بچپن کے چھ سال تو گذرے ہی تھے ان باتوں کا ذہن کی سادہ لوح پر ظاہر ہے کہ بہت گہرا اثر پڑا ہوگا کلکتہ کے دوران قیام میں بھی تعلیم و تربیت کے خاص اہتمام نے ایک طرف عربیت کے نقوش کو ابھارا، تو دوسری طرف فارسی زبان و ادب کا قلم لگایا، غرض شروع سے جو طبعی اسباب فراہم ہوتے چلے گئے، ان کے زیر اثر مولانا آزاد کی زبان پر عربی و فارسی لفظیات کا تناسب دوسروں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ رہا ہو، تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں، لیکن بھاری بھرکم لفظوں کی کھپت، شروع کا دور ہو یا ''الہلال'' اور تذکرہ کی نگارش کا زمانہ ایسی ناہمواری اور ناگواری کا سبب نہیں بنی کہ لوہے کے چنے چبانے پڑیں، جس سے ہمیں ڈپٹی نذیر احمد کی تصنیفات میں جابجا اور مرزا غالبؔ کے ابتدائی دور کے کلام میں بالعموم اور ''تقریظات'' میں آخری عہد تک سابقہ پڑتا ہے۔

انیسویں صدی کے اختتام تک اردو زبان کا روپ پوری طرح نکھر چکا تھا اس کے سہل و رواں اسلوب کے پہلو بہ پہلو مولانا محمد حسین آزاد اور شبلی کی رنگین و دلکش عبارت آرائی کے نمونے بھی فروغ نظر بن رہے تھے، اعلیٰ سماج مقصد کے تحت شعر و ادب کو نیا رخ دینے کی راہیں بھی کھلنے لگی تھیں، سرسید کی نظریاتی و عملی کاوشوں کے نتیجہ میں جو علمی روایت قائم ہو چکی تھی اسے مولانا آزاد نے بھی یک قلم رد کرنے کے بجائے اپنے دریافت کردہ ادبی حسن کی آمیزش کے ساتھ ترقی دی اور فروغ بخشا، غیر افسانوی نثر کی آرائش و اثر انگیزی میں مولانا کے دماغ و قلم نے جادہ جگایا اور وہ کامرانی حاصل کی جس کی مثال نہیں ملتی۔

مولانا آزاد کی بنیادی حیثیت قدر اول کے مفکر کی ہے، جس کی نظر میں انسانی سطح کی کائناتی وسعتیں ایک مرکز پر سمٹ آتی ہیں اور فکر و فن کی دشوار گزار چوٹیاں سر ہو جاتی ہیں ایسی شکل میں ابلاغ و ترسیل کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے مولانا کو خود اپنا اسلوب ترتیب دینا ناگزیر تھا، ایسا اسلوب جو ان کے نصب العین پر چست آئے، ان کی بوقلموں شخصیت کی طرح نصب العین بھی رنگا رنگ اور تہ دار تھا اور یہ تہ داری شعر و ادب کی کسی خاص صنف سے پیشہ وارانہ تعلق پیدا کرنے کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے کافی تھی، اگرچہ شاعری ہو یا کوئی اور صنف ادب، خطابت ہو یا صحافت فلسفہ ہو یا سیاست، سب کی باگ ڈور ان کے کف دست میں تھی، لیکن ان کی ہمہ جہتی کسی ایک پہلو پر قناعت کرنے کی روادار نہ تھی۔

برطانوی سرمراج سے ملک و ملت کو نجات دلانا، سربلندی و ترقی سے پوری قوم کو ہم کنار کرنا، کل ہند اکائیوں کا اتحاد یکجہتی کی لڑی میں پرونا، تہذیبی و فکر دائروں کا اعلیٰ اقدار کے حصار میں لانا، یہ سب ان کے نصب العین کے بنیادی خطوط کا خوشنما منظر ضرور پیش کرتے ہیں، لیکن اس کی تکمیل جس نشانہ کو پورا کئے بغیر نہیں ہو سکتی تھی، وہ عظیم انسانیت کی تعمیر اور کل انسانیت کی سطح پر تہذیبی اکائیوں کی گنگا جمنی ہم آہنگی کا نشانہ ہے مجاز نے جب یہ کہا تھا:

مولانا آزاد کو دیکھا
بھارت میں بغداد کو دیکھا

تو گویا شعور کی تیز نگاہیں عظیم مفکر کے سراپا میں کل عالمی تہذیبوں اور ثقافتوں کا سنگم اور اعلیٰ قدروں کا امتزاج اور نیرنگیوں کا مشاہدہ کر رہی تھیں۔

مولانا کی شخصیت اس ہمہ گیر نصب العین کا مظہر تھی اور نصب العین ان کی شخصیت کا پیرایہ کمال بن گیا تھا، چنانچہ اس کا پرتو، ان کا اسلوب بن کر اور اثر ادب پر ابھرتا چلا گیا۔

تخلیقی ادب کو راست مولانا نے بھلے کچھ نہ دیا ہو، لیکن اصل اہمیت کچھ دینے سے زیادہ اس بات کی ہے کہ سنگلاخ میدانوں کا ڈنڈا انھوں نے ادب کے مرغزاروں سے ملایا یا نہیں؟

ہمارا یہ خیال شاید بے جا نہ قرار دیا جائے کہ مولانا نے تخلیقی ادب کے طلسم زار میں پابند رسوم ہو کر اپنا مقام بنالیا ہوتا تو اس میں انوکھے پن کی کوئی بات نہ ہوتی، ان کی افتاد طبع، شخصی وقار اور بوقلموں عبقریت کی شان کے مطابق البتہ یہ بات تھی جو وقوع میں آئی کہ انھوں نے لق و دق صحرائے حقیقت کی سیر میں اپنی شگفتہ نگاری و گلستاں بدامانی کی دھوپ چھاؤں کی فضا پیدا کر کے مٹی دل نوجوانوں کو شریک سفر بنانے میں کھلی کامیابی حاصل کی، ہمارا اشارہ ترجمان القرآن کی طرف ہے جو ان کی دستار کمال کا لعل شب چراغ ہے۔

الہلال اور البلاغ کی نگارشات کو ترجمان القرآن کا پیش خیمہ کہنا چاہئے، کہ ان میں مولانا کا جوہر صحافت و ادب کا سنگم بن کر نکھرا اور ادبی چاشنی کے ساتھ قرآن کی ازلی و ابدی صداقتوں کی انسانیت نواز بلندی و آفاقیت نئی پود پر پوری قوت سے نمایاں ہوئی اور دلوں میں عرفان و آگہی کے نئے نئے دروازے کھلتے چلے گئے، کلکتہ کے ترقی پسند شاعر پرویز شاہدی نے انہی باتوں کا منظر نامہ یوں پیش کیا ہے:

کون ابھرا مشرق ہستی سے مثل آفتاب
ذرے ذرے پر چھڑکتا روشنی انقلاب
نطق کے سانچے میں سحر سامری ڈھلتا ہوا
ہوا پردۂ الفاظ میں اک طور سا جلتا ہوا
ہر پیکر بے روح میں اک روح سی بھرتا
ہر نفس قوم حزیں کو تازہ دم کرتا ہوا
ہو علم و حکمت کو غرور نوجوانی بخشتا
قلزم افکار کو حسن روانی بخشتا

ان شہرۂ آفاق پرچوں کی کشش ایسی عجیب تھی کہ اشاعت ۲۵ ہزار تک جا پہنچی تھی تو پڑھنے اور سننے والوں کا شمار ایک لاکھ سے اوپر ہوتا تھا کسی دوسرے معاصر کا بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں نہ ایسا ریکارڈ ہے نہ اس کو یہ مقام حاصل ہوا۔

''تذکرہ مولانا کی باقاعدہ اور اہم تصنیف ہے، لیکن فضل الدین احمد کی طلب اور مولانا کی منتہائے فکر و نظر کی کشاکش میں پڑ کر یہ کتاب نہ صرف ادھوری رہی بلکہ اس کی سوانحی ہیئت بھی ''حدیث دیگراں'' کی نذر ہو گئی، اس کشاکش کے نتیجہ میں ایک خاص تکنیک دعوت و عزیمت کی روح کو زیادہ سے زیادہ ابھارنے کے لئے آزمائی گئی، جو تذکرہ کا خاص حصہ ہے، اس کی زبان کا انداز اور الفاظ کی گھن گرج وہی ہے جو الہلال اور البلاغ میں نمایاں ہے۔''

اس دور میں بے پناہ جوش و خروش کی ایک بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ۱۹۰۴ء سے ۱۹۱۰ء تک کا زمانہ جو ترک رسوم و قیود میں بسر ہوا، اگرچہ فردوس گم شدہ کی بازیافت سے ہمکنار کر گیا، تاہم اس کا ردفعل بہت قوی ہونا چاہئے تھا، اور اس کے اثرات سے فکر و نظر کو معنوی دنیا کی طرح، ظاہری اسلوب بھی کسی طرح بچ نہیں سکتا تھا، الہلال سے تذکرہ تک کا دور جو کم و بیش سات آٹھ برس پر مشتمل ہے، اس کے دوران میں اسی ردفعل کی گھن گرج لفظ و معانی کی دونوں سطحوں پر اپنے نقوش ثبت کرتی رہی ہے۔

سمندر کی طغیانی جب کسی قدر کم ہوئی پہاڑ جیسی موجیں رفتہ رفتہ تہ نشیں ہونے لگیں اور سطح پر سکون و وقار کی حکمرانی حد نظر تک قائم ہو گئی پھر جو ترجمان القرآن کی باری آئی تو ادبی حسن و برجستہ نگاری کا سونا بھٹی میں تپ کر کندن بن چکا تھا، یہاں تک کہ بعض اہل نظر کو اس کی ''تخلیقی شان'' اور بعض کو ''دینیاتی تخلیق'' کی جھلکیاں دکھائی دینے لگیں لیکن خود مولانا کے بیان کردہ ضابطہ ترجمہ و تفسیر کے چوکھٹے میں ان باتوں کی گنجائش نہیں نکلتی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ ترجمان القرآن میں جابجا حکیمانہ نکتہ سنجیاں دامن دل کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔

اردو زبان و ادب کو مولانا کی آخری اور خاص دین ''غبار خاطر'' ہے، یہاں ترجمان القرآن والی سلاست و روانی، موقع بموقع کی عطر بیزی و گل ریزی کے ساتھ نقطۂ عروج کو جا پہنچی ہے ''کاروان خیال'' اسی سلسلۂ زر نگاری کی ایک کڑی ہے۔ بیشتر فقروں میں ادبی حسن کا کوئی عکس، حکیمانہ اسلوب کا کوئی نقش، اعلیٰ دماغی کا کوئی پرتو ضرور ملتا ہے، چھوٹے چھوٹے تراشیدہ الفاظ کی مینا کاری بھی اسی قدر دلفریب ہے، خشک و دقیق موضوع کو بھی برجستہ نگاری کا انداز و طرز ادا کا جادو موثر و دل آویز بنا کر پیش کرتا ہے۔

فلسفہ سائنس اور مذہب، ہر ایک کو اس کی صحیح جگہ پر رکھنا اور ان کے باہمی فرق کو سمجھا دینا مولانا کے ادبی اعجاز کا ایک کرشمہ ہے، ملاحظہ فرمائیے چند جملے:

''فلسفہ شک کا دروازہ کھول دے گا اور پھر اسے بند نہیں کر سکے گا سائنس ثبوت دے دیگا مگر عقیدہ نہیں دے سکے گا۔''

لیکن مذہب ہمیں عقیدہ دے دیتا ہے اگرچہ ثبوت نہیں دیتا اور یہاں زندگی بسر کرنے کے لئے صرف ثابت شدہ حقیقتوں کی بھی ضرورت نہیں ہے بلکہ عقیدہ کی ضرورت ہے (غبار خاطر ص ۵۸) اور تتلیوں کی بات نکل آئی تو مولانا کے تراشیدہ فقروں کی گلہانگ یوں شروع ہو جاتی ہے:

''قدرت کے قلم صنعت کی یہ بھی ایک عجیب کرشمہ سنجی ہے کہ پھولوں کے ورق اور تتلیوں کے پروں پر ایک ہی موئے قلم سے مینا کاری کر دی، اور ایک ہی رنگ کی دوائیں کام میں لائی گئیں۔ ان پھولوں کے اوراق کا مطالعہ کیجئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بڑے پھولوں کی کترن سے کچھ کاغذ بچ رہا تھا، اسے بھی ضائع نہیں کیا گیا اور قینچی سے تراش تراش کر ننھے منھے پھولوں کے ورق بنالئے۔'' (غبار خاطر ص ۲۲۱)

''مینا کو آہوئے ہوائی، کوا کو شہرستان ہوا کا دریوزہ گر کہنا، یا چڑیا چڑے کی کہانی میں تہوسند چڑے کا نام ''قلندر'' اور بھولی بھالی چڑیا کا نام ''موتی'' رکھ دینا

بقیہ صفحہ ۸ پر

تعمیرِ سیرت

سیرت واخلاق کی تعمیر میں حدیث کا کردار

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

قرآن مجید کی آیت ہے "اِن الدین عند اللہ الاسلام" کہ اللہ کے یہاں دین تو اسلام ہے یعنی زندگی کا وہی طور وطریق قابل قبول ہے جو اسلام نے بتایا ہے، ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ "ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ" کہ جو شخص اسلام کے بتائے ہوئے طریقوں کے علاوہ دوسرے طریقوں کو اختیار کرے گا تو وہ منظور نہیں کیا جائے، اور اسلام کا بتایا ہوا طور وطریق وہ طور وطریق جو ہم کو قرآن مجید سے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے برتے اور بتائے ہوئے احکام اور عمل سے پہنچا ہے اور وہ اللہ کو خدائے واحد مان کر اس کی مرضی اور اس کے حکم کے مطابق طریقۂ زندگی اختیار کرنا، دوسرے معنوں میں اپنے کو خدائے واحد کے حکموں اور مرضیات کے حوالہ کر دینا ہے، اور یہی اسلام کے لفظی معنی ہیں اور مسلمان سے یہی مطلوب بھی ہے، کہ وہ خود کو اپنے پروردگار کے حوالہ کردے، یعنی اپنی مرضی کو اس کی مرضی کا تابع کردے۔

یہ بات اسلام کے علاوہ کسی مذہب میں نہیں ہے، اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں مذہب کا مطلب ایک یا کئی خداؤں کو مانتے ہوئے صرف ایک متعین طریقہ سے ان کی عبادت کر لینا ہے، ان کے یہاں مذہب زندگی کے دوسرے پہلوؤں کے لئے کوئی متعین احکام نہیں رکھتا ہے، لیکن اسلام میں ایک محدود عقیدہ اور کچھ متعینہ شکلوں کی عبادت ہی نہیں بلکہ عقیدہ وعبادت کے ساتھ ساتھ معاملات ومعاشرت اور اخلاق کے لئے خصوصی ہدایات اور رہنمائیاں ہیں، اس میں عدل و انصاف، اخلاق کی درستگی اور نیکی، دوسروں کے ساتھ حسن سلوک، ظلم وزیادتی سے گریز، بے حیائی اور گندی باتوں سے پرہیز، شرافت وانسانی خوبیوں کو اختیار کرنا ہے، یہ تمام باتیں اسلام میں دین کے اندر ہی داخل ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں جگہ جگہ انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ میں آتا ہے کہ وہ اپنی قوم کو صرف اللہ کی عبادت کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، کہیں آتا ہے کہ ناپ تول میں بے ایمانی نہ کرو، اور کہیں آتا ہے کہ نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو، اسی طرح اسلام نے دین کو پوری انسانی زندگی پر پھیلا دیا ہے اور زندگی کو اس کا پابند بنایا ہے، جس کا بیان قرآن مجید میں مختلف جگہوں پر آیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام یعنی حدیث شریف میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اسی طرح اسلام نے زندگی کے تمام پہلوؤں کو دین کے احاطہ میں کر دیا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے "**المسلم من سلم المسلمون من لسانه ومن يده والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه**" کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی زیادتی سے تمام مسلمان محفوظ رہیں، ہجرت کرنے والا دراصل وہ ہے جو ان تمام باتوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع کیا ہے، اسی طرح اسلام کے ماننے والے کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ زندگی کے مختلف پہلوؤں میں اللہ اور اس کے رسول کا کیا حکم اور کیا طریق کار ضروری اور مفید ہے، اس کی تفصیل ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور احکامات میں ملتی ہیں، اور یہ احکامات آپ کی احادیث میں پھیلے ہوئے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوی زندگی تیئس سال ہوئی، تیرہ سال مکہ مکرمہ میں جو آپ نے دین کی دعوت وتبلیغ میں صرف کی اور اس کے سلسلہ میں لوگوں کی بے اعتنائی، ایذا رسانی اور دھمکیوں کو برداشت کرنے میں گزاری، آپ نے یہ سب برداشت کیا، کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ قرآن کے حکم کے مطابق عمل کرتے رہے، جو اس مرحلہ کے لئے دیا گیا تھا، کہ "نماز (یعنی عبادت الٰہی) کو ادا کرو اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو، یعنی کسی کی شرارت اور ایذا رسانی کا جواب نہ دو، انتقام نہ لو، حتیٰ کی ہجرت فرما کر مدینہ منورہ آئے، پھر دس سال مدینہ منورہ میں لوگوں کو دین اسلام کی طرف متوجہ کرنے اور دین اسلام کی تفصیلات بتانے اور ان پر عمل کروانے میں گزرے مدینہ منورہ پہونچ کر کفار کی زیادتیوں کا جواب دینے کی اجازت ملی، اور کفار نے جب مسلمانوں پر حملے کئے اور جنگیں کیں تب آپ نے اپنے رفقاء کے ساتھ ان حملوں اور جنگوں کا مقابلہ کیا، اور بہادری اور غیرت دینی اور اسلام کو سربلند رکھنے والے جذبہ سے کام لیا، اور ان جنگوں میں بھی اعلیٰ انسانی اقدار کا لحاظ رکھا، یہ سب آپؐ کے رفقاء اور ساتھ دینے والوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، کانوں سے سنا اور ان سب پر عمل کیا، اور اپنے بعد والوں کو سنایا، بتایا، پھر ان کے سننے اور دیکھنے والوں نے اپنے بعد کے لوگوں کو بتایا اور سنایا، اور یہ سب حدیث شریف کے ذخیروں میں محفوظ ہو گیا، حدیث کے معنیٰ گفتگو اور باتوں کے ہیں، حدیث رسول کا مطلب رسول کی باتیں اور گفتگو کے ہوئے، اور یہ سب گفتگو اور باتیں دین اسلام کی باتیں ہوئیں۔

رسول کی باتیں ارشادات اور ہدایات میں وہ ذخیرہ ہے جن سے دین اسلام اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ سامنے آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے، اس طرح حدیث شریف اللہ تعالیٰ کے کلام "قرآن مجید" کے ساتھ اسلام کی تمام باتوں کا ذخیرہ اور خزانہ ہے، اسی لئے مسلمانوں کو اپنی زندگی کو دین اسلام کے مطابق کرنے کے لئے حدیث کو سننا اور پڑھنا اور معلوم کرنا ہوتا ہے، قرآن مجید اور حدیث شریف اصلاً عربی زبان میں ہے، حدیث شریف میں ایک حصہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات اور رہنمائی کا ہے جن کا تعلق زیادہ تر مذہب کے عبادتی اور معاملاتی پہلو سے ہے، اور یہ زیادہ تر فرقہ کے نام سے مسائل عبادات واحکام الٰہی کے جاننے کے لئے باقاعدہ پڑھا جاتا ہے۔

بقیہ: صفحہ ۱۹ پر

اعجازِ قرآن

گزشتہ سے پیوستہ

قرآن مجید ـــــ ایک معجزہ

مولانا عبداللہ عباس ندوی کی زیر طبع تصنیف کا ایک غیر مطبوعہ باب

ایک خاص اسلوب تعلیم

بہت سے حقائق ومعانی کو انسان کے دل و دماغ میں اتارنے اور ذہن نشیں کرنے کے لئے قرآن کریم نے مکالمہ کا طرز اختیار کیا ہے، اور بعض مقامات پر اپنی ایسی مخلوق کو مخاطب فرمایا ہے جن کو عام طور پر ایسے صیغوں (یا ضمائر) سے مخاطب نہیں کیا جاتا جو بنی نوع انسان کے لئے مخصوص ہیں، مثلاً آپ ایک آدمی سے کہیں گے، آؤ، یا چلے آؤ، مگر دریا، پہاڑ، جنگل، یا درخت سے ایسا نہیں کہیں گے کہ، آ اے درخت، یا جا اے درخت، مگر اللہ تعالیٰ سب کا خالق ہے، سب اس کے آگے ذرۂ بے مقدار ہیں، پھر اس طرز تخاطب میں تفہیم (سمجھانے) کا انداز نرالا ہے جو قرآن پاک کے لسانیاتی جمال کو سامنے لے آتا ہے، علمائے بلاغت اس کو مجاز کی ایک قسم تمثیل میں شمار کرتے ہیں۔

مکالمہ کی مثال

وعلّم آدم الأسماء كلها ثم عرضهم على الملائكة فقال أنبئوني بأسماء هؤلاء، إن كنتم صادقين، قالوا سبحانك لا علم لنا إلا ما علّمتنا إنك أنت العليم الحكيم، قال يآ آدم أنبئهم بأسمائهم فلما أنبأهم بأسمائهم قال ألم أقل لكم إني أعلم غيب السماوات و الأرض و أعلم ما تبدون وما كنتم تكتمون.

(البقرہ:۳۱-۳۳)

"اور علم دیدیا اللہ تعالیٰ نے (حضرت) آدم علیہ السلام کو (ان کو پیدا کر کے) سب چیزوں کے اسماء کا پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کر دیں، پھر فرمایا کہ بتلاؤ مجھکو اسماء ان چیزوں کے (یعنی مع ان کے آثار وخواص کے) اگر تم سچے ہو، فرشتوں نے عرض کیا آپ تو پاک ہیں ہم کو ہی علم نہیں مگر وہی جو کچھ ہم کو آپ نے علم دیا، بیشک آپ بڑے علم والے ہیں حکمت والے ہیں (کہ جس قدر جس کے لئے مصلحت جانا، اسی قدر فہم وعلم عطا فرمایا) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم ان کو ان چیزوں کے اسماء بتلا دو سو جب بتلا دیئے ان کو آدم نے ان چیزوں کے اسماء تو حق تعالیٰ نے فرمایا (دیکھو) میں تم سے کہتا نہ تھا کہ بے شک میں جانتا ہوں تمام پوشیدہ چیزیں آسمانوں اور زمین کی اور جانتا ہوں جس بات کو تم ظاہر کر دیتے ہو اور جس بات کو دل میں رکھتے ہو۔"

ان آیات کریمہ میں فرشتوں سے گفتگو کی نقل کی گئی، جب کہ معلوم ہے کہ بیچارے فرشتے اللہ تعالیٰ کی اسی طرح ایک مخلوق ہیں جس طرح انسان، حیوان، جمادات، نباتات وغیرہ، اور ان کو تو پیدا ہی اسی لئے فرمایا گیا کہ ہر لحظہ حکم الٰہی کو انجام دینے کے لئے کمر بستہ رہیں، جہاں اشارہ ملے سر جھکا دیں اور تعمیل حکم کا فرض انجام دیں ان کی کیا مجال کہ امر الٰہی پر اعتراض کریں اور کہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے اور وہ کیونکر ممکن ہے۔؟

ابلیس سے مکالمہ (تمثیل)

ولقد خلقناكم ثم صوّرناكم ثم قلنا للملائكة اسجدوا لآدم فسجدوا إلا ابليس لم يكن من الساجدين، قال ما منعك ألا تسجد إذ أمرتك قال أنا خير منه خلقتني من نار وخلقته من طين، قال فاهبط منها فما يكون لك أن تتكبر فيها فاخرج إنك من الصاغرين قال أنظرني إلى يوم يبعثون قال إنك من المنظرين، قال فبما أغويتني لأقعدن لهم صراطك المستقيم ثم لآتينهم من بين أيديهم ومن خلفهم وعن أيمانهم وعن شمائلهم ولا تجد أكثرهم شاكرين. (اعراف/۱۰-۱۲)

"اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے ہی تمہاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو، سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا، حق تعالیٰ نے فرمایا تو جو سجدہ نہیں کرتا تجھکو اس سے کون سا امر مانع ہے جب کہ میں تجھکو حکم دے چکا ہوں۔ کہنے لگا! میں اس سے بہتر ہوں آپ نے مجھکو آگ سے پیدا کیا اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا، حق تعالیٰ نے فرمایا، تو آسمان سے اتر تجھکو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبر کرے آسمان میں رہ کر، سو نکل بیشک تو ذلیلوں میں شمار ہونے لگا، وہ کہنے لگا کہ مجھکو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھکو مہلت دی گئی وہ کہنے لگا بسبب اس کے کہ آپ نے مجھکو گمراہ کیا، میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لئے آپ کی سیدھی راہ بیٹھوں گا۔ پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی ان کی داہنی جانب سے بھی، اور ان کی بائیں جانب سے بھی، اور ان میں سے اکثروں کو احسان ماننے والا نہ پائیے گا۔"

فرشتوں اور ابلیس سے مکالمہ جن کے نمونے آپ نے اوپر دیکھے، یہ قرآن کا خاص طرز تفہیم ہے، جس سے مقصود کلام صاف واضح ہو کر سامنے آجائے مفسرین کی ایک بڑی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ ہم الفاظ قرآن کے پابند ہیں جو بات جہاں پر اور جس طرح کہی گئی ہے ہم اس کو جیسا اسی انداز میں سمجھتے ہیں جس طرح دنیا کے مادی امور، اگر ان حضرات کی

بات مان لی جائے، اور گفتگو کا رخ حقائق و مجازات کے الجھاؤ میں نہ ڈالا جائے، جبھی اللہ تعالیٰ کی قدرت ظاہر ہوتی ہے، اور اپنے بندہ کو چیونٹیوں سے بات کرنے اور ان کی گفتگو کو سمجھنے کا موقع دے سکتا ہے تو کیا فرشتوں کو مخاطب نہیں کرسکتا، بہرحال آپ گفتگو کا رخ جس طرف چاہیں موڑ دیں۔ انداز کلام تفہیم کا ہے، جس سے بات دل و دماغ میں اتر جاتی ہے اور کسی تاویل کی محتاج نہیں رہتی اور قرآن کریم کا اسلوب تفہیم معجزانہ ہے۔

جمادات کو اس طرح آواز دینا جس طرح ذی روح کو مخاطب کیا جاتا ہے یہ قرآن کریم کا معجزانہ اسلوب ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کردیا گیا، پرندوں کو مانوس کردیا گیا مگر اس کو بجائے جملہ خبریہ میں بیان کرنے کے صیغۂ امر میں بیان فرمایا گیا۔

ولقد اٰتینا داؤد منا فضلاً یا جبال أوّبی معہٗ والطّیر وألنّا لہ الحدید (سورہ سبا:۱۰)

''اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی، اے پہاڑو داؤد کے ساتھ بار بار تسبیح کرو اور اسی طرح پرندوں کو بھی حکم دیا اور ہم نے ان کے واسطے لوہے کو (مثل موم کے) نرم کردیا۔''

اگر یہی بات اس طرح کہی جاتی کہ ہم نے پہاڑوں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ داؤد کے ساتھ ہماری تسبیح کریں اس کے اندر وہ حسیت اور یقین وقوت نہیں پیدا ہوتی جو خطاب کے صیغہ میں ہے۔ ''یاجبال'' اے پہاڑو۔

اسی طرح سیدنا نوح علیہ وعلی نبینا الصلوۃ والسلام کے قصہ کا خاتمہ جن الفاظ پر ہوتا ہے، اس میں ارشاد ہوا۔

وقیل یٰأرض ابلعی مآءک ویٰسمآء اقلعی وغیض المآء وقضی الأمر واستوت علی الجودی قیل بعداً للقوم الظالمین (ھود:۴۴)

''(حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت نہ ماننے اور کفر و الحاد پر مُصر قوم جب فنا ہو چکی تو حکم ہوگیا) اے زمین (سطح زمین پر جتے ہوئے) پانی کو نگل جا، اور اے آسمان (پانی برسانے سے) تھم جا۔ (اور ایسا ہی ہوا) پانی گھٹ گیا اور قصہ ختم ہوا، اور (کشتی) کوہ جودی پر آٹھہری، اور کہدیا گیا کہ کافر لوگ رحمت سے دور ہوئے۔''

یہاں پر یہ آیت صرف یہ دکھانے کے لئے نقل کی گئی ہے کہ غیر ذی روح کو خطاب کر کے بات کو سمجھانے کے لئے آسان کردینا قرآن کریم کا اسلوب خاص ہے، جس کی مثالیں بعض محاورات میں ملتی ہیں مگر جس وسعت اور گہرائی کے ساتھ قرآن کریم نے اس طرز کو استعمال کیا ہے، اس سے صورتحال اس طرح عیاں ہوکر سامنے آجاتی ہے کہ آنکھوں کے سامنے جیسے نقشہ پھر جائے، اس آیت کریمہ کی بلاغت کی نرالی شان ہے جس کا مقابلہ کسی بشر کے کلام سے نہیں کیا جاسکتا۔ ❁❁

.....بقیہ: مولانا آزاد اور تحقیقی ادب.....

اور چونچ مارنے کے لئے منقار درازی کی ترکیب وغیرہ، تہ دار ذہانت کے تخلیقی عمل اور سحر آفرینی کے نمونے ہیں۔

وہ جو کسی ناقد نے کہا ہے کہ ''غبار خاطر'' میں مولانا کا قلم بیمار اور ضعیف ہے۔ اس کی اہل بصیرت نے اچھی خبر لی ہے۔ لیکن اس ذوق عجیب کو گویا اس کے حریف مقابل سے قلعہ احمد نگر میں مولانا کو سابقہ پڑ چکا تھا ایک دن صبح سویرے مولانا نے بلبل کی آواز سن کر ایک صاحب کو توجہ دلائی کہ سنتا بلبل کی آواز آرہی ہے، ایک دوسرے صاحب جو صحن میں ٹہل رہے تھے، کچھ دیر کے لئے رک گئے اور کان لگا کر سنتے رہے پھر بولے کہ ''ہاں قلعہ میں کوئی چمگادڑ آرہا ہے، اس کی پہیوں کی آواز آرہی ہے۔'' (غبار خاطر: ص ۲۴۴)

سو کی سیدھی بات پر وفیسر آل احمد کے الفاظ میں یہ ہے کہ ''ابوالکلام کے جوش قدح سے ادب میں ہمیشہ چراغاں رہے گا'' اس پر ہم قلعہ احمد نگر کی برجستہ یادگار کا اضافہ کریں گے جو خاص پس منظر میں مولانا کی گویا آخری نغمہ ریزی ہے۔

شنجوں میں اہتزاز ہے پرواز حسن کی
سینچا تھا کس نے باغ کو بلبل کے خون سے

''تعمیر حیات'' کا ایک نیا صفحہ

عام طور سے ماہانہ اور ہفتہ وار پرچوں اور رسالوں میں ایک باب ''قارئین کے خطوط'' کا ہوتا ہے ''تعمیر حیات'' نے یہ صفحہ قصداً شروع نہیں کیا کہ ایسے خطوط جن میں ہماری ہمت افزائی اور قارئین کی طرف سے تحسین کا انداز ہوتا ہے، وہ ہمارے بڑوں کو پسند نہیں تھا، وہ محسوس کرتے رہے کہ یہ تو آپ اپنی مدح سرائی کی بعض ایڈیٹروں کے بارے میں سنا ہے کہ وہ پابندی سے اپنی منقبت کے خطوط شائع کیا کرتے تھے ایسے ہی ایک ایڈیٹر سے قریبی تعلق رکھنے والے ایک انشاء پرداز دوست نے بتایا کہ جب اس قسم کے خطوط نہ ہوتے تو وہ بقلم خود ایسے خطوط لکھنے پر مجبور ہوتے، بہرحال یہ تو قصۂ ماضی تھا، اب ہم اپنی منقبت اور مدح سرائی کے لئے نہیں بلکہ بعض علمی مباحث، دینی موضوعات اور سیاسی جائزوں سے متعلق اگر کوئی مفید مراسلہ موصول ہوا تو ہم اس کو افادیت عام کے لئے شائع کریں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق اور آپ کی دعاؤں کے طالب ہیں۔

(رئیس التحریر)

تعلیم الحدیث

حقیقتِ توحید

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لأبی یا حصین کم تعبد الیوم الٰھاً قال ابی سبعۃ، ستاً فی الأرض و واحداً فی السماء، قال فأیھم تعد لرغبتک و رھبتک قال الذی فی السماء! إلی اٰخر الحدیث

(رواہ الترمذی)

حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد حصین سے دریافت فرمایا کہ آجکل کتنے خداؤں کو پوجتے ہو وہ کہنے لگے سات کو، چھ زمین کے اور ایک آسمان والا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ، اپنی چاہت و رغبت کے لئے اور خوف و خطر کے وقت کس کا وظیفہ پڑھتے ہو کہنے لگے، آسمان والے کا۔

یہ ہر انسان کے دل کی آواز ہے، وہ بتوں کو پوجتا ہو، پتھروں اور درختوں کے آگے سر پٹکتا ہو، چاند، سورج اور ستاروں کے پرستش کرتا ہو، ہر طاقتور کے آگے سر جھکا دیتا ہو لیکن اگر وہ اپنے دل سے پوچھے تو صرف ایک صدا وہاں سے بلند ہوگی اور صرف ایک ہی ہستی کا نام اس کی زبان دل سے جاری ہوگا وہ بے ساختہ کہے گا کہ مدد کرنے والا تو وہی ہے جو آسمان پر ہے، کام تو اسی سے بنے گا، ایسے وقت میں جب اعضاء جواب دے جاتے ہیں، زبان گنگ ہوجاتی ہے، تو بڑے ڈھیلے پڑجاتے ہیں مایوسی کے بادل چھانے لگتے ہیں اور آدمی کو کچھ سجھائی نہیں دیتا تو بے خود ہوکر وہ اپنے خالق و مالک کی دہائی دیتا ہے، فرعون سے بڑا سرکش اور خدا کا باغی کون ہوگا، ''انا ربکم الاعلیٰ'' کا نعرہ بلند کرنے والا، جب سمندر کی لپیٹ میں آیا اور اس کے تھپیڑوں نے حواس باختہ کردئے تو کہنے لگا، ''آمنت برب ھارون و موسیٰ'' میں موسیٰ وھارون کے رب پر ایمان لایا مگر وقت نکل چکا تھا ارشاد ربانی ہوا ''الآن وقد عصیت من قبل وکنت من المفسدین' 'اب کیا ہوتا ہے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور بگاڑ پھیلانے والوں میں شامل رہا۔''

یہ توحید کی وہ چنگاری ہے جو ہر انسان کے دل میں موجود ہے، ایک جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''کل مولود یولد علی الفطرۃ'' ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے اس کے والدین اس کو یہودی بنادیتے ہیں اس کو نصرانی بنادیتے ہیں یا مجوسی بنادیتے ہیں۔

اسلام نے اس چنگاری کو ایک ایسا شعلہ بنادیا کہ جس نے غیر اللہ کی عبادت کے تصور کو خس و خاشاک کی طرح جلا کر خاک کردیا، ایک مؤمن غلطی کرسکتا ہے لیکن کفر و شرک نہیں کرسکتا، ایک حدیث میں حلاوت ایمان کو حاصل کرنے کا نسخہ بیان کیا گیا ہے، اس میں سب سے پہلی شرط یہی بیان کی گئی ہے کہ جس طرح آگ میں ڈالے جانے کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اسی طرح کفر و شرک اختیار کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوجائیں، لرزہ طاری ہوجائے۔

اسلام کی بنیاد عقیدۂ توحید پر ہے، اگر اس میں فتور پیدا ہوگیا تو کوئی بڑے سے بڑا عمل بھی اللہ کی بارگاہ میں مقبول نہیں، اللہ کی ذات غنی ہے سب سے زیادہ اس کو شرک سے غیرت آتی ہے، ایک حدیث میں وارد ہے کہ ''أنا اغنی الشرکاء عن الشرک'' کوئی شرکت سے ایسا بے نیاز نہیں جیسا میں ہوں، جو میرے ساتھ شریک کرتا ہے تو میں اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ تمسب بے راہ تھے جس کو میں نے راہ دکھائی وہ ہدایت پر آیا، تم سب ننگے بھوکے تھے جس کو میں نے پہنایا کھلایا اس کو کپڑا اور روزی میسر آئی بس مجھ سے ہدایت مانگو میں ہدایت دونگا مجھ سے روزی طلب کرو میں روزی دونگا۔

غور کرنے کی بات ہے احکم الحاکمین کے دربار سے ہر ایک پا رہا ہے، سرخرو ہو رہا ہے، وہاں کسی چیز کی کوئی کمی نہیں، کسی واسطے کی ضرورت نہیں، رب ہے اور اس کا بندہ جو چاہے مانگے، ارشاد ہوتا ہے، ''واذا سألک عبادی عنی فانی قریب أجیب دعوۃ الداع إذا دعان فلیستجیبوالی ولیؤمنوابی'' آپ سے میرے بندے میری بابت پوچھیں تو کہہ دیجئے کہ میں قریب ہی ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں بس وہ مجھی سے مانگیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔

دینے والا دے رہا ہے، دن و رات اس کی نعمتیں بندوں پر برس رہی ہیں، اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں، پھر دوسرے دربار کا رخ کیا جائے، دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلائے جائیں، دوسرے کی دہائی دی جائے اس سے بڑھ کر اس احکم الحاکمین کو ناراض کرنے والی بات کون سی ہوسکتی ہے۔

اس کی بہترین مثال کسی عارف نے بیان کی بادشاہ کا دربار لگا ہوا ہے باریابی کا اذن عام ہے ہر ایک نوازا جارہا ہے ایسے میں کوئی شخص اس کو چھوڑ کر کسی معذور اپاہج کے پاس جاکر مانگنے لگے تو اس کے بارے میں کیا تصور قائم کیا جاسکتا ہے۔

دنیا کی قومیں بھٹکتی چلی گئیں، اسباب کو انہوں نے اصل کا درجہ دے دیا، نبی کو خدا کا بیٹا کہنے لگے، بزرگوں اور پروہتوں کو خدا کا درجہ دینے لگے، ہر طاقت کے آگے سر جھکانے لگے صحیح زندگی اور حقیقی بندگی کا سرا ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا، قرآن مجید نے اس کی بہترین تصویر کشی کی ہے۔

او کظلمات فی بحر لجی یغشاہ موج
من فوقہ موج من فوقہ سحاب ظلمات

بقیہ: صفحہ ۲۳ پر

بیت الحکمۃ

عہد عباسی میں علمی کاوشوں اور فنی کارناموں کا مشہور مرکز

جناب شاہد عمادی لکھنؤ

ان دنوں جب کہ ممالک میں کلیسا کے قوانین کے مطابق علم وحکمت کی کتابوں کو پڑھنا یا رکھنا قابل گردن زدنی جرم سمجھا جاتا تھا، سلطنت اسلامیہ میں علوم وفنون کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی اور علم وحکمت کے میدان میں نئی نئی راہیں منکشف ہوئیں، قرن اول کے مسلمانوں نے جب موقعہ اور ضرورت ہوئی تو معاشرت اور تمدن کے متعلق بے تکلف غیر قوموں کے اصول اور آئین اختیار کئے، ترجموں کا رواج شروع سے ہی تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے خط و کتابت کے لئے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا اور انھوں نے عبرانی سیکھی، علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں "صحابہ میں سے بہتوں نے فارسی زبان سیکھ لی تھی، چنانچہ ہرمزان جو عجم کا ایک رئیس تھا جب حضرت عمر فاروقؓ کے دربار میں آیا تو مغیرہ نے فارسی میں ان سے سوال وجواب کئے۔

مسلمانوں کے عروج کے ساتھ عرب وعجم میں جابجا علم وحکمت کی شمعیں فروزاں ہوئیں اور ہر اسلامی سلطنت نے فروغ علم کی بجا طور پر سرپرستی کی، نہ صرف ملک بلکہ دنیا بھر کے عالموں اور دانشوروں کو بلا لحاظ مذہب وقومیت بڑی رقموں سے نوازتے اور تحقیق وتصنیف کے کاموں پر مامور کرتے۔

دولت عباسیہ میں علم وفن کا آغاز خلیفہ ابوجعفر منصور کے زمانے سے ہوگیا تھا تاہم خلیفہ ہارون رشید (المتوفی ۸۰۹ء) نے اس کو اور ترقی دی، اس کے ابتدائی دور میں یونانی، فارسی، سریانی اور سنسکرت زبان کی تصنیفات کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو چکا تھا، ہارون رشید نے ایک عظیم الشان محکمہ تالیف وتراجم کے لئے قائم کیا جس کا نام بیت الحکمۃ رکھا اور اس محکمہ میں اقصائے عالم کے نامور عالم، ماہرین فن اور مترجمین پیش قرار تنخواہوں پر مامور کئے، اس کا دربار ہر صنف کمال کا مرکز تھا، اس کے تمام وابستگان دولت اور متعلقین خاص اپنے اپنے اوصاف میں منتخب روزگار تھے، مختلف فتوحات میں ہارون رشید کو کئی یونانی کتابیں ہاتھ آئیں، اور وقت کے مشہور مترجم یوحنا بن ماسویہ کو ترجمہ پر مامور کیا، اور یہ کتابیں خزینۃ الحکمۃ میں داخل کی گئیں۔

خلیفہ ہارون رشید کے نامور وزیر یحییٰ برمکی کے مورث اعلیٰ برمک بلخ کے مشہور آتش کدہ کا مہتمم تھا، دولت عباسیہ کے آغاز میں اس کا بیٹا خالد اسلام لایا اور وزیر ہوا، چونکہ یہ خاندان اصل میں مجوسی تھا اس لئے مجوسی قوم سے فارسی کا سرمایہ علمی حاصل کیا اور ترجمے کرائے، اسی نامور برمکی خاندان نے عام علمی جلسوں کی بنیاد ڈالی جس میں ہر فرقہ اور مکتب فکر کے لوگ شریک ہوتے "مجطی" کا اول ترجمہ ۱۶۵ھ میں کیا گیا۔ یحییٰ برمکی نے ہندوستان کے پنڈتوں، فلسفیوں اور طبیبوں کو طلب کیا اور ان سے سنسکرت کتابوں کے ترجمے کرائے، مولانا شاہ معین الدین ندوی مرحوم رقمطراز ہیں "برامکہ کا دور وزارت جبین دہر کا نور اور زمانے کے سر کا تاج تھا، ان کے مکارم ضرب المثل تھے۔ وہ دنیا کے مرجع آمال تھے، اور لوگ کھنچ کھنچ کر ان کے آستانے پر آتے تھے۔"

خلیفہ مامون (المتوفی ۸۳۳ء) کے دور حکومت میں فارسی ادب اور علوم وفنون کا وافر ذخیرہ جمع ہوگیا تھا، اپنے دور حکومت میں مامون نے یونانی فلسفہ کو ترقی دی اور بیت الحکمۃ کو مزید وسیع کیا، علامہ شبلی نعمانی رقمطراز ہیں "فلسفہ کے ساتھ اس کی شیفتگی اس حد تک پہنچی کہ ایک دن خواب میں نے میں دیکھا کہ ایک شخص جس کا حلیہ ہے: سفید رنگ، کشادہ پیشانی، پیوستہ ابرو، آنکھوں میں سیاہی کے ساتھ نیلا پن، تخت پر بیٹھا ہے، ہارون نے ہیبت زدہ ہو کر نام پوچھا، اس نے کہا ارسطو، اس خواب نے مامون کو فلسفہ کا دلدادہ بنا دیا، قیصر روم کو علوم وفنون کی کتابیں بہم پہنچانے کے لئے لکھا، یہ وہ زمانہ تھا قیصر روم پر خلفائے عباسیہ کے خطوط فرمان کا اثر رکھتے تھے، چنانچہ ایک راہب کی نشاندہی پر قسطنطین میں واقع ایک مقفل مکان میں بند فلسفہ کی کتابوں کو نکالا گیا، عہد قدیم سے یہ رسم چلی آرہی تھی کہ جو بادشاہ تخت نشیں ہوتا تھا وہ اس مکان کے دروازے پر ایک قفل کا اور اضافہ کر دیتا، قیصر کو دانشوروں اور اعیان سلطنت نے بتایا کہ یہ کتابیں جہاں جائیں گی اس مذہب کو تباہ کر دیں گی، راہب نے قیصر کو یقین دلایا کہ ان کتابوں کو اسلامی ملک میں بھیجے جانے پر نہ دنیا میں کوئی وبال ہوگا اور نہ آخرت میں، بلکہ ثواب ملے گا کیوں کہ یہ عقلی علوم جس مذہب میں داخل ہوں گے اس کی بنیادیں دہل جائیں گی۔

مامون کے ذوق وشوق اور علم وحکمت کی حوصلہ افزائی سے ارکان دولت، صاحب وجاہت اور ارباب ثروت بھی ادھر مائل ہوگئے، اور چند ہی دنوں میں جزیرہ عراق، شام اور فارس علم وحکمت کی روشنی سے منور ہوگیا، بغداد میں جمع نامور مترجمین میں نسطوری، یعقوبی، صابی، مجوسی، رومی اور براہمہ سب برابر تھے، اور یونانی، فارسی، سریانی، سنسکرت، نبطی اور لاطینی وغیرہ زبانوں کے تراجم کرتے تھے۔

یہ وہ دور تھا جب علم ہیئت، ریاضی (Maths) ہندسہ (Geometry) الجبرا، اور طب وغیرہ میں غیر معمولی کارنامے انجام پائے اور انکشافات قلمبند ہوئے۔ کرۂ ارض کی پیمائش اور رصد خانے کا قیام تاریخ اسلام میں سب سے پہلے عہد مامونی میں ہوا، مامون نے علم ہیئت (Astronomy) میں قوانین مرتب کرائے، جن کے ذریعہ کواکب کا ارصاد کیا جا سکے، نامور سائنس دانوں میں یحییٰ بن منصور، خالد بن عبد الملک مروزی، سند بن علی اور عباس بن سعید نے زیجیں تیار کر کے شماسیہ کے شہر میں رصد خانہ قائم کیا اور آفتاب اور دیگر سیاروں کے حالات دریافت کئے، نوشا کر نے جو علم ہیئت کے ماہر تھے کرۂ ارض کی پیمائش کی، اس کی تحقیقات کے مطابق محیط ۲۴ ہزار میل قائم ہوا۔

خلیفہ مامون کے دور میں بیت الحکمۃ میں

مامور نامور علماء واہل فن کی طویل فہرست میں چند ذیل ہیں:

۱۔ عباس بن سعید الجوہری (المتوفی ۸۴۷ء) ماہر ہیئت داں، آلات رصد کا موجد اور باکمال صناع۔

۲۔ حکیم یحییٰ بن منصور (المتوفی ۸۳۳ء) ہیئت داں، ماہر منجم، اور ماہر ریاضی داں،

۳۔ حجاج بن یوسف مطر (المتوفی ۸۳۳ء) باکمال ریاضی داں اور علم ہندسہ کا ماہر۔

۴۔ خالد بن عبد الملک المروزی (المتوفی ۸۴۹ء) ماہر ہیئت داں منجم اور ریاضی داں۔

۵۔ محمد بن موسیٰ خوارزمی (المتوفی ۸۵۰ء) ماہر ریاضی داں، الجبرے کا موجد اور علم ہندسہ کا ماہر۔

۶۔ احمد بن موسیٰ شاکر (المتوفی ۸۵۸ء) ماہر ہیئت داں، مختلف آلات رصد کا موجد اور قابل صناع۔

۷۔ ابو عباس احمد بن کثیر فرغانی (المتوفی ۸۶۳ء) علم پیمائش کا ماہر، ہیئت داں، ریاضی داں اور ماہر علم ہندسہ۔

۸۔ ابو طیب سند بن علی (المتوفی ۸۶۴ء) ہیئت داں، ماہر معمار، ماہر علم معدنیات۔

۹۔ علی بن عیسیٰ اصطرلابی (المتوفی ۸۶۴ء) ماہر ہیئت داں، ریاضی داں اور اصطرلاب کا ماہر۔

۱۰۔ ابوالحسن علی بن سہل طبری (المتوفی ۸۷۰ء) ماہر علم النفس، محقق علم حیوانات، طبیب، اور معلم۔

۱۱۔ ابو یوسف یعقوب کندی (المتوفی ۸۷۳ء) ماہر ہیئت داں، باکمال منجم اور علم نباتات کا محقق۔

بعض نامور مترجمین جن کے نام علم وحکمت کی تاریخ نے قلمبند کئے وہ یہ ہیں:

۱۔ یعقوب بن اسحاق عبادی اپنے عہد کا صاحب کمال نصرانی طبیب تھا اور یونانی، سریانی اور عربی زبان میں کامل دستگاہ رکھتا تھا۔

۲۔ قسطا بن لوقا بعلبکی دولت عباسیہ کا مشہور مترجم جو یونانی نسل کا تھا اور شام میں پرورش پائی، علم ریاضی، علم ہندسہ، منطق، طب اور علوم طبعیہ میں ید طولیٰ حاصل تھا، یونانی عربی زبان میں ماہر اور بیت الحکمۃ میں ترجمہ کے کام پر مامور تھا۔

۳۔ عمر بن فرخاں طبری علم ہیئت کا ماہر تھا، نجوم کی کتابوں کا ترجمہ کیا اور فلسفہ پر کتابیں تصنیف کیں۔

۴۔ یعقوب کندی کو علمائے فلسفی کا لقب دیا، یونانی، فارسی اور سنسکرت میں دستگاہ رکھتا تھا، مامون نے اسے ارسطو کے مشکل فلسفوں کی تشریح اور کتابوں کے ترجمہ پر مامور کیا، چوتھی صدی ہجری تک اس کی تصنیفات رائج تھیں۔

۵۔ حنین بن اسحاق عراق کے مشہور شہر حزیں کا عیسائی باشندہ اور یونانی فلسفہ کا ماہر تھا، ہارون رشید کے دور میں خزینۃ الحکمۃ کا افسر یوحنا بن ماسویہ کے حلقہ درس میں شریک ہوا، اسکندریہ جو ان دنوں یونانی زبان کا علمی مرکز تھا اور علم وادب اور فلسفہ کی بے شمار درس گاہیں قائم تھیں، یونانی زبان میں کامل درک اور علم طب سیکھا، مامون نے حنین کو ترجمہ کے کام پر مامور کیا اور ہر کتاب کے صلے میں برابر سونا تول کر دیتا، چنانچہ حنین ان ترجموں کو موٹے کاغذ پر جلی حروف میں لکھواتا کتابوں کی تلاش میں ایشائے کوچک کا ایک ایک شہر چھان مارا اور شام، فلسطین اور مصر وغیرہ کا دورہ کیا، جالینوس کی ۱۲۱ کتابوں اور رسالوں کا ترجمہ کیا، ۲۶۴ھ میں ۷۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

۶۔ سہیل بن ہارون عربی کا انشاء پرداز اور مجوسیوں کے علوم وفنون میں کمال علم رکھتا تھا، عربی فارسی اور پہلوی زبانوں میں اسے دسترس حاصل تھی اور خزینۃ الحکمۃ میں فارسی کتب کے ترجمہ پر مامور تھا، سہیل کا بھائی سعید بھی ترجمہ کے کام پر مامور تھا۔

۷۔ موسیٰ بن شاکر کی ابتدائی زندگی رہزنی کی تھی، توبہ کی اور مامون کے دربار میں ملازم ہوا۔ اس کے تینوں بیٹے۔ محمد، حسن اور احمد علم ودانش میں صاحب کمال تھے اور ترجمہ کے کاموں پر مامور ہو کر نامور ی حاصل کی۔

۸۔ ثابت بن قرہ اپنے زمانے میں رائس المترجمین تھا، ثابت کا ایک شاگرد عیسیٰ بن اسید عیسائی تھا اور سریانی زبان کی بہت سی کتابیں ترجمہ کیں۔

عہد عباسی عدل وانصاف، امن وامان، رواداری، رعایا کی خبر گیری اور خوشحالی میں اپنی نظیر آپ تھا وہیں علوم وفنون اور صنعت وحرفت میں ترقی ہوئی اور تہذیب وتمدن اپنے عروج تک پہنچا، خلیفہ ہارون رشید نے ایک عظیم الشان کتب خانہ بغداد میں قائم کیا، تاریخ شاہد ہے کہ علم ریاضی، ہندسہ، الجبرا، علم ہیئت، معدنیات طب، علم النفس وحیوانات ونباتات، آلات رصد، اور صناعی وغیرہ میں حیرت انگیز کارنامے انجام پذیر ہوئے جو آج کی دنیا کا عظیم سرمایہ علم ودانش ہے، علوم عقلیہ اور دیگر زبانوں سے واقفیت کا ایک عام چلن طبقہ علم ودانش میں قائم تھا، سلسلہ تالیف وتراجم سے بغداد میں دراتوں اور کتب فروشوں کی کثرت ہوگئی، اقوام عالم سے ذہبی علم ودانش کھنچ کھنچ کر بغداد آئے اور ان کی قدر ومنزلت ہوئی، نہ صرف علوم وفنون کی قدیم کتابوں کے ترجمے کرائے گئے بلکہ ان کتابوں کے پڑھنے کا شوق دلایا، اس کا نتیجہ تھا کہ عہد عباسی میں علم کا بازار گرم ہوا اور سلطنت حکمت قائم ہوئی، خلفاء عباسی نے وابستگان علم وفن کو اپنا مقرب خاص بنایا اور ان کے مناظروں اور علمی مباحث سے دلچسپی لی۔

مشہور فرنچ مصنف ڈاکٹر لیبان اپنی مشہور کتاب "تمدن عرب" میں لکھتا ہے کہ عربوں نے جو مستعدی تحصیل علم میں ظاہر کی وہ فی الواقع حیرت انگیز ہے، اس امر میں بہت سی اقوام ان کے برابر ہوئی ہیں لیکن بمشکل کوئی ان سے بازی لے جا سکی، جب وہ کسی شہر کو لیتے تو ان کا پہلا کام وہاں مسجد اور مدرسہ بنانا ہوا کرتا، بڑے شہروں میں ان کے مدرسہ کثرت ہوتے تھے۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ رقمطراز ہیں "اسلام نے دین وعلم کیساتھ جو دائمی رشتہ قائم کیا اور علم کی عزت افزائی کی اس کی وجہ سے معاشرہ میں تعلیم حاصل کرنے کا مزاج پیدا ہوا، عہد اسلامی میں علمی وتصنیفی تحریک پیدا ہوئی جس کی مثال تاریخ انسانی میں کہیں نہیں ملتی۔" ۞ ۞ ۞

ماخذ:

۱۔ علوم قدیمہ اور مسلمان، از علامہ شبلی نعمانیؒ۔

۲۔ تاریخ اسلامی، از: مولانا شاہ معین الدین ندوی مرحوم۔

۳۔ تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات، از: مولانا ابوالحسن علی ندویؒ۔

۴۔ غیر مطبوعہ تحریریں۔ از: مولانا ابراہیم عمادی ندوی مرحوم

مینارہ نور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جرأت ایمانی

تاریخِ اسلام کے آئینہ میں

پروفیسر سید احتشام احمد ندوی

حضرت عمر فاروقؓ نے تاریخ اسلام میں عظمت فکر ونظر اور عملی زندگی کے بلند مینارے قائم کر دیے ہیں۔ان کا اسلام لانا اسلام میں ایک انقلاب پیدا کرتا ہے، وہ صاف کہہ دیتے ہیں اور اعلان کردیتے ہیں کہ اب اسلام کو چھپانے اور کمزور سمجھنے کا وقت چلا گیا ہے، اب ضرورت ہے کہ اسلام کی قوت کا مظاہرہ برسر عام کیا جائے، اور کفار مکہ کو بتا دیا جائے کہ اسلام میں اتنی طاقت ہے کہ مسلمان کعبہ میں آکر باجماعت نماز پڑھنے پر قادر ہیں، چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کے اصرار پر آنحضرت ﷺ بھی راضی ہوگئے اور مسلمان دو صفوں میں بٹ گئے، ایک صف کی قیادت حضرت حمزہؓ کررہے تھے اور دوسرے صف کی قیادت حضرت عمرؓ کررہے تھے، یہ دونوں اسلام کے شیر تھے اور قریش کے عظیم طاقتور اور شیر دل لوگوں میں ان کا شمار تھا، ان کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو طاقت محسوس ہوئی، قریش کے معاشرہ میں دو عظیم بہادروں کا اسلام میں داخل ہونا ایک انقلاب تھا، حضرت عمرؓ نے صاف اعلان کردیا کہ جس کو مزاحمت کرنی ہو وہ نکل آئے اور دو دو ہاتھ کرلے مگر سارا مکہ خاموش رہا، کفار اپنی آنکھوں سے اسلام کی طاقت کا مظاہرہ دیکھتے رہے اور اپنی آنکھوں سے نماز کا پُر تاثیر منظر دیکھتے رہے، مسلمان دو صفوں میں کعبہ پہونچے، قریش کے سرداروں کے سامنے کعبہ کے صحن میں نماز ادا کی، آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھائی حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کی شجاعت کے آگے کسی کی یک نہ چلی، وجہ صرف یہ تھی کہ حضرت عمر کی جرأت ایمانی یہ پسند نہیں کرتی تھی کہ اسلام کو چھپایا جائے اور نماز چھپ کر پڑھی جائے، اب تک مسلمان نماز چھپ کر پڑھتے تھے اور حضور ﷺ نے اسی غرض سے حضرت ارقمؓ کا مکان دارالاسلام بنادیا تھا، سارے مسلمان وہاں جمع ہوتے، حضور ﷺ کی امامت میں نماز ادا کرتے، قرآن پڑھتے دین کو سیکھتے اور مکان کا دروازہ اندر سے بند ہوتا، اب جب کہ حضرت عمرؓ ایمان لے آئے تو ان کی جرأت ایمانی میں پہلی بار سارے مسلمانوں کو جمع کرکے برسر عام کعبہ کے اندر قریش کی موجودگی میں نماز ادا کی اور ایمان کا اعلان کردیا، یہ جرأت ایمانی ان کی پوری زندگی میں روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

جب حضرت عمرؓ نے ہجرت کی تو چالیس آدمیوں کو ساتھ لیا اور اعلان کردیا کہ جس کو اپنے بچوں کو یتیم بنانا ہو اور اپنی بیوی کو بیوہ کرنا ہو آکر وہ میرا مقابلہ کرے، کسی کو جرأت نہ ہوئی اور حضرت عمرؓ نے پوری شان سے اپنا سامان لے کر ہجرت کی اور کفار دم بخود رہ گئے۔

ایک مسلمان اور ایک یہودی کا مدینہ میں جھگڑا ہوا، یہودی اپنا قضیہ آنحضرتؐ کے پاس لایا آنحضرت ﷺ نے یہودی کے حمایت میں فیصلہ کردیا، مسلمان اس پر راضی نہ ہوا اور وہ اپنا قضیہ حضرت عمرؓ کے پاس لے گیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا اس مسلمان سے: کیا واقعی حضورؐ نے اس پر فیصلہ کردیا ہے؟ مسلمان نے کہا کہ ہاں، حضرت عمرؓ نے فرمایا تو پھر ذرا انتظار کرو میں آتا ہوں، حضرت عمرؓ گھر کے اندر گئے اپنی تلوار لائے اور اس مسلمان سے فرمایا کہ تو حضورؐ کے فیصلے سے راضی نہیں ہے اور میرا فیصلہ چاہتا ہے، میرا فیصلہ یہی تلوار ہے، حضرت عمرؓ نے اس کی گردن قلم کردی۔ ان کی جرأت ایمانی یہ برداشت نہ کرسکی کہ حضور ﷺ کے فیصلے پر کوئی دوسرا فیصلہ کرے، یہ مسلمان کی شان نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کی جرأت ایمانی نے مجبور کیا کہ وہ اس مسلمان کا سر قلم کردیں۔

حضرت عمرؓ کی جرأت ایمانی کے عظیم واقعات سے تاریخ اسلامی کے واقعات روشن ہیں، مختلف مواقع پر وہ شدت ایمان اور یقین محکم کا پیام دیتے ہیں، وہ دبنا نہیں جانتے، وہ کھل کر سامنے آتے ہیں اور ایمان کی طاقت سے اپنے مافی الضمیر کا اعلان کردیتے ہیں، چنانچہ غزوہ بنی مصطلق میں دو آدمیوں کے درمیان پانی کے بارے میں جھگڑا ہوا، جہنی نے انصار کو پکارا اور مہاجر نے مہاجرین کو پکارا مدد کے لئے، اس پر عبداللہ بن سلول منافق جو اپنی دادی کے نام پر ابن سلول کہلاتا ہے وہ اس موقع پر موجود تھا اور منافقوں کا سردار تھا، اس نے انصار کی طرف دیکھا اور بولا یہ تم لوگوں کی حرکت ہے، تم ان مسلمانوں کو مکہ سے لے آئے ان کو اپنا مال سپرد کردیا اور ان پر خرچ کرتے ہو، اگر تم ہاتھ روک لو تو یہ سب بھاگ جائیں گے اور کہیں اور جاکر بسیں گے، اب میں دیکھتا ہوں کہ مدینہ میں واپسی کے بعد عزت والے ذلت والوں کو اس سے نکال دیں گے، اس موقع پر ایک نوجوان ارقم موجود تھا جو انصاری تھا اس نے سارا واقعہ جاکر حضور ﷺ کی خدمت میں من وعن پیش کردیا، عبداللہ بن سلول منافق کو معلوم ہوا تو وہ حضور ﷺ کے پاس آیا اور قسم کھا کر کہا کہ میں نے ایسا نہیں کہا ہے، حالانکہ اس نے کہا تھا، کچھ ہی دیر بعد آسمان سے وحی نازل ہوئی اور پوری سورہ منافقین اتری جو تا قیامت اس واقعہ کا دستاویزی ثبوت ہے، اب حضور ﷺ نے سوچا کہ کیا کریں، حضرت عمر کی جرأت ایمانی جوش میں آگئی، ان کا خون کھول گیا، اور فرمایا کہ یارسول اللہ حکم دیجئے میں اس کا سر ابھی قلم کیے دیتا ہوں، حضور ﷺ نے کہا کہ نہیں عمر۔ لوگ کیا کہیں گے وہ اپنی مجلسوں میں باتیں کریں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں، یہ معاملہ اسلام کی تاریخ میں نہایت نازک تھا، اگر حضور ﷺ ابن سلول کو قتل کرادیتے

تو اسلام کی خیریت نہیں تھی اس لیے کہ خزرج کے قبائلی جذبات بھڑک اٹھتے اور قبائل میں عصبیت ایسی زبردست طاقت تھی جس کا مقابلہ صرف اسلام کرسکتا تھا اور اس نے کیا، عبداللہ بن سلول یثرب کا بادشاہ مان لیا گیا تھا، اس کے تاج کے لیے موتی خرید لیے گئے تھے کہ اسی درمیان حضور ﷺ مدینے پہونچ گئے، ابن سلول سمجھتا تھا کہ حضور ﷺ نے اس کی بادشاہت چھین لی، اس بنا پر بڑے بڑے انصار حضورؐ سے کہتے تھے یارسول اللہ اس شخص کے ساتھ محبت اور مہربانی برتئے اور حضور ﷺ نے بھی تادم آخر اس کے ساتھ مہربانی برتی جس کا ذکر بعد میں کیا جائے گا۔

عبداللہ بن سلول کو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ابن سلول کو قتل کرنا چاہتے ہیں، باپ بیٹے دونوں کا نام عبداللہ تھا، بیٹے عبداللہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر فرمایا یارسول اللہ میں نے سنا ہے کہ آپ ابن سلول کو قتل کرانا چاہتے ہیں آپ مجھے حکم دیجئے میں ان کا سر اتار کر آپ کی خدمت میں پیش کردیتا ہوں، خوب یاد رہے کہ یہ بیٹا نہایت مخلص مسلمان تھا لیکن اس کا باپ سب سے بڑا منافق تھا اور اس کی بیٹی جمیلہ بھی نہایت مخلص مسلمان تھی اور اس کا داماد تو نہایت مخلص مسلمان تھا اور تاریخ میں ان کا نام حنظلہ غسیل ملائکہ تھا، حضرت عبداللہ نے فرمایا: یارسول اللہ میں اپنے باپ کا نہایت فرماں بردار بیٹا ہوں میں برداشت نہیں کرسکتا کہ کوئی شخص میرے باپ کو قتل کر کے مدینے میں چلتا پھرتا رہے، میں اس کو قتل کردونگا، لہذا آپ مجھے حکم دیجئے میں اپنے باپ کا سر اتار کر خدمت میں پیش کردیتا ہوں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں جب تک عبداللہ بن سلول میرے ساتھ ہیں میں ان کی عزت کروں گا اور حضورؐ نے ایسا ہی کیا، جب ابن سلول پر موت کا حملہ ہوا تو حضورؐ سے آپ کا پیرہن مانگا کفن کے لیے، حضور ﷺ نے اپنی چادر دے دی، ابن سلول نے چادر واپس کردی اور بولا حضورؐ مجھے وہ جبہ عنایت فرمائیں جو آپ کے جسم کو چھوتا ہے، حضورؐ نے اپنا جبہ عنایت فرمادیا، اسی میں اس کی تکفین کی گئی۔

کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے اس دن ایک ہزار منافق ایمان لے آئے اور دل سے اسلام قبول کرلیا، جب انہوں نے دیکھا کہ ان کا سردار آنحضرتؐ پر اتنا یقین رکھتا ہے کہ آپ کے جسم کو چھونے والا جبہ طلب کرتا ہے برکت کے لئے۔

اب عبداللہ بن سلول کا جنازہ لایا گیا اور حضور ﷺ کھڑے ہوئے نماز پڑھانے، حضرت عمر کی غیرت ایمانی پھر جوش میں آئی اور فرمایا کہ یارسول اللہ! اس شخص نے فلاں موقع پر یہ کیا، فلاں موقع پر اسلام کے خلاف یہ یہ کام کئے، جنگ احد میں ۳۰۰ منافقوں کے ساتھ الگ ہوگیا اور آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے؟! حضرت عمر کی جرأت ایمانی کا یہ عالم ہوا کہ آپ نے حضور کو پکڑ لیا تاکہ آپ اس کی نماز نہ پڑھائیں، مگر حضور ﷺ نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں نماز پڑھاؤں گا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھائی، نماز کے بعد دعا مانگی اور اس کی مغفرت کی دعا فرمائی، مگر اس کے معا بعد آیت حضرت عمرؓ کی موافقت میں نازل ہوئی کہ اے رسول اب کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھئے۔ آیت درج ذیل ہے:-

وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ (سورہ توبہ/۸۴)

"اور اے نبی منافقوں میں سے اگر کوئی مرجائے تو اس کے جنازہ کی نماز کبھی نہ پڑھئے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوکر دعائے مغفرت کیجئے، اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ اس حال میں مرے ہیں کہ فاسق ونافرمان تھے"۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی، حضور ﷺ نے حضرت ابو حذیفہ کو تمام منافقین کے نام بتادئے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ اس شخص کی نماز جنازہ میں شرکت نہ فرماتے جس میں حضرت ابوحذیفہؓ شریک نہ ہوتے۔

حضرت عمرؓ کی غیرت ایمانی اور شدت تقویٰ

کی گواہی خود آنحضرت ﷺ نے دی ہے، واقعہ یہ پیش آیا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس عورتیں جمع تھیں اور آپ سے اپنی باتیں معلوم کررہی تھیں کہ اتنے میں حضرت عمرؓ آگئے، سب عورتیں ڈر کے مارے ادھر ادھر چھپ گئیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: عمرؓ جدھر جاتے ہیں شیطان اس راستہ کو چھوڑ کر بھاگ لیتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے عورتو! تم کیسی ہو کہ اللہ کے رسول سے نہیں ڈرتی ہو اور مجھ سے ڈرتی ہو۔

حضرت عمرؓ کی جرأت ایمانی کا اصل موقع صلح حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا، ایک طرف حکم اللہ کا اور حکم رسول ﷺ کا دوسری طرف آزمائش حضرت عمرؓ کی جرأت وغیرت ایمانی کی، بھلا حضرت عمرؓ دب کر صلح کرنے والے کب تھے؟ مگر چونکہ جب اللہ کے رسول کا حکم ہوگیا تو حکم کو مان لیا مگر غیرت خاموش نہ رہ سکی جاکر خود شمع نبوت کے سامنے حاضر ہوئے اور بولے کہ کیا آپ اللہ کے رسول نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک میں اللہ کا رسول ہوں۔ فرمایا کیا یہ قریش والے کفار نہیں، فرمایا کہ ہاں یہ سب کفار ہیں فرمایا کہ پھر ہم دب کر کیوں صلح کریں اور ہم کیوں ضعف دکھائیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ دب کر صلح نہیں ہے بلکہ یہ اسلام کی فتح ہے، حضرت عمرؓ کی جرأت وغیرت بڑھتی رہی وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہونچے اور ان سے بھی یہی باتیں کہیں جو حضور ﷺ سے فرمائی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اسکا فیصلہ ہی ٹھیک ہے، بہرحال یہ حضرت عمرؓ کی انتہائی غیرت ایمانی تھی جس پر وہ صبر نہیں کرسکے، محسوس تو مسلمان بھی کررہے تھے کہ فیصلہ دب کر ہوا ہے کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہوکر مدینہ آجائے تو وہ واپس کردیا جائے گا اور اگر کوئی شخص مرتد بن کر مکہ جائے تو واپس نہ کیا جائے گا، اسی پر عمل ہوا، سارے صحابہ پریشان تھے حتیٰ کہ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ مسلمان سر منڈائیں اور قربانی کریں لیکن اس پر عمل درآمد نہیں ہوا تو حضور ﷺ کو بڑا دکھ ہوا آپؐ نے جاکر

حضرت ام سلمیٰؓ سے شکایت کی، حضرت ام سلمیٰؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! مسلمان اس وقت پریشان ہیں آپ باہر نکلئے خود سر منڈائیے اور قربانی کیجئے، سب آپ کی اتباع کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت ام المومنینؓ کا مشورہ صحیح ثابت ہوا۔ اس پس منظر میں حضرت عمرؓ کی غیرت ایمانی کو آزمائش سے گزرنا پڑا۔ اس کے بعد سورۃ الفتح نازل ہوئی اور اس صلح کو اللہ نے "فتح مبین" قرار دیا اور تاریخ نے ثابت کر دیا کہ یہ فتح رب کر نہیں ہوئی بلکہ اسلام کی فتح تھی۔ حضرت ابو جندل نے اپنا گروہ بنا کر مکہ والوں کے قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا جس کے باعث خود مکہ والوں نے درخواست کی کہ اس شرط کو ساقط کر دیا جائے، چنانچہ اس شرط کو ساقط کر دیا گیا، اس وقت ان تمام لوگوں نے سمجھ لیا کہ آنحضرت ﷺ نے کتنی بڑی دانشمندی کی اس شرط کو قبول کر کے، اس کے ذریعہ مکہ والے خوش ہو گئے کہ انہوں نے پالا مار لیا مگر وہ بھول گئے کہ مسلمانوں سے حالت امن میں ملنے جلنے سے اسلام کی خوبیاں پھیل جائیں گی اور وہی ہوا۔ چند برس میں پورے جزیرۃ العرب میں اسلام پھیل گیا، یہ فیض تھا صلح حدیبیہ کا۔

حضرت عمرؓ کی شدت احساس ایمانی اور غیرت ایمانی نے جو کچھ ردعمل کیا اس کا افسوس ان کو تاحیات رہا، وہ صدقہ کرتے، توبہ کرتے، غلام آزاد کرتے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ان سخت الفاظ کو معاف کر دے جو صلح حدیبیہ کے بارے میں انھوں نے حضور ﷺ سے کہے، مگر ان کی نیت خالص تھی سارے صحابہ کا احساس بھی یہی تھا، صرف حضرت عمرؓ نے اظہار کر دیا تھا باقی لوگ اپنے احساس کو دبائے رہے حضرت عمرؓ اپنی اعلیٰ اسلامی حس اور شدت ایمانی کے باعث اپنے ضمیر کو دبانے پر قابو نہ پا سکے، مگر حضور ﷺ نے بھی برا نہ مانا، ایک طرف محبت کی نظر دوسری طرف شدت ایمان و ایقان اور شدت اطاعت و فرمانبرداری، حضرت عمرؓ نے ایک لفظ بھی گستاخی اور گرمی کا نہیں منہ سے نہ نکالا صرف اتنا فرمایا کہ جب آپ رسول برحق ہیں تو ہم دب کر صلح کیوں کریں؟ مگر جب حضور ﷺ نے اس صلح کو فتح قرار دیا، اور خود قرآن میں سورۂ فتح اللہ نے نازل کر دی تو حضرت عمرؓ نے توبہ کی اور صدقہ و خیرات اور بہت کچھ راہ خدا میں خرچ کیا، یہ سب ان کے اندر زبردست ایمانی طاقت کا غماز ہے، دین پر شدت اور غیرت کا احساس تو ان کو بھی تھا جب حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ عمر تم قریش کے پاس جا کر میرا پیغام پہونچا دو تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ قریش میری شدت سے واقف ہیں اگر آپ حضرت عثمانؓ کو بھیج دیں تو وہ یہ سفارت عمدہ کر سکیں گے اس لئے کہ ان کا قبیلہ طاقتور ہے چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو روانہ کر دیا اور وہ اپنی سفارت میں کامیاب رہے، بیعت رضوان اس سفارت کا نتیجہ ہے، الغرض حضرت عمرؓ کی شدت ایمانی محمود تھی اور وہ حضور ﷺ کے حکم کے تابع تھی۔ ع

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

✿✿✿

خانوادۂ حسنی کی بزرگ شخصیت
جناب مسلم حسنی علیل

جناب محمود حسن حسنی ندوی معاون مدیر تعمیر حیات کے دادا محترم اور خانوادۂ حسنی کی بزرگ ترین شخصیت جناب مسلم حسنی صاحب ان دنوں علیل ہیں، گزشتہ دنوں موصوف کو ہڈی کے ایک آپریشن کے مرحلہ سے گزرنا پڑا۔ موصوف مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاںؒ اور پروفیسر ابو بکر حسنی مرحوم کے بچپن کے ساتھی ہیں اور اُس زریں دور کی یادگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے، قارئین سے بھی دعائے صحت کی درخواست ہے۔

دُعائے مغفرت

☆ ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس شوریٰ کے رکن جناب شیخ محمود منیار (حافظ برادرس سورت گجرات) کے چھوٹے بھائی عبدالحفیظ صاحب کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔

☆ محمد عمر جمال الدین کاغذی (سورت گجرات) کا یکم جولائی کو انتقال ہو گیا۔

☆ تعمیر حیات کے قدرداں جناب محمد منظور الحق صدیقی صاحب کا اپنے آبائی وطن گلبرگہ کرناٹک میں انتقال ہو گیا۔

☆ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مولانا مفتی محمد طارق صاحب کے والد جناب اظہر علی صدیقی صاحب کا ۸۶/سال کی عمر میں اپنے آبائی وطن لکھنؤ میں مورخہ ۳۰/جولائی ۲۰۰۳ء کو انتقال ہو گیا۔ نماز جنازہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم جناب مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ نے پڑھائی، اور اعزہ و اقارب اور اساتذہ دارالعلوم نے شرکت کی۔

☆ شعبہ مالیات دارالعلوم ندوۃ العلماء کے رکن مولوی محمد عرفان ندوی کے والد محترم قمر الزماں صاحب کا مورخہ ۲۵/جولائی ۲۰۰۳ء مراد آباد ضلع اناؤ میں انتقال ہو گیا۔

☆ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ جناب عبید الرحمٰن ندوی کی نانی محترمہ کا انتقال ہو گیا۔

قارئین تعمیر حیات سے تمام مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

تذکیر و موعظت

حضرت امام اعظمؒ کی اپنے شاگرد امام ابو یوسفؒ کو وصیتیں

محمد ناظم الدین قاسمی

☆ فرمایا اے یعقوب تم اللہ سے ڈرنے کو اور امانت ادا کرنے کو اور تمام عوام و خواص کی خیر خواہی کو لازم پکڑ لو۔

☆ تنہائی میں اللہ سے اسی طرح کا تعلق رکھو جیسا کہ علانیہ طور پر سب کے سامنے اللہ سے تعلق رکھتے ہو، خلوت جلوت میں اخلاص سے اللہ کی طرف متوجہ رہو۔

☆ لوگوں کے درمیان ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر خلوت و جلوت میں اخلاص سے اللہ کی طرف متوجہ رہو زیادہ کیا کرو تا کہ لوگ تم سے ذکر سیکھیں، اور وہ بھی کرنے لگیں۔

☆ نمازوں کے بعد اپنے لئے کچھ ورد مقرر کر لو جس میں قرآن کی تلاوت، اللہ کا ذکر کرو۔

☆ ہر مہینے میں چند دن ایسے مقرر کر لو جن میں روزے رکھا کرو تا کہ دوسرے لوگ بھی اس میں تمہاری اقتداء کریں۔

☆ اپنے نفس کی نگرانی کرو تا کہ وہ گناہوں اور لایعنی کاموں میں مشغول نہ ہو جائے اور دوسروں کی بھی نگرانی کرو۔

☆ خطاؤں میں لوگوں کی اتباع نہ کرو بلکہ صحیح اور درست کاموں میں ان کی اتباع کرو (اس سے مراد دنیاوی انتظامی امور ہیں)۔

☆ جب تمہیں معلوم ہو کہ فلاں آدمی اچھا نہیں ہے تو اسکی برائی کا تذکرہ نہ کرو بلکہ اس کے اندر خیر تلاش کرو۔

☆ موت کو یاد کرو اور استادوں کے لئے اور ان سب لوگوں کے لئے دعائے مغفرت کرو جن سے تم نے دین حاصل کیا ہے۔

☆ لعنت اور سب و شتم کا استعمال نہ رکھنا۔

☆ جب موذن اذان دے تو مسجد میں داخل ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ تا کہ عوام تم سے پہلے نہ پہونچ جائیں۔

☆ جو کوئی بات اپنے پڑوسی کی ناقابل اظہار دیکھو اس کی پردہ پوشی کرو کیونکہ تمہارے پاس امانت ہے اور دوسروں کے بھی حالات ظاہر نہ کرو۔

☆ جو کوئی تم سے کسی چیز میں مشورہ طلب کرے تو اس کو مشورہ دو جس میں تم کو یقین ہو کہ یہ مشورہ تم کو اللہ سے قریب کر دے گا۔

☆ لالچی نہ بننا، نہ جھوٹا بننا، اور نہ ایسی باتیں کرنا جو لوگوں کو چکر میں ڈالنے والی ہوں بلکہ اپنی مروت کو تمام امور میں محفوظ رکھنا،

☆ ہمیشہ اپنے دل کو غنی رکھنا اور تنگ دستی ظاہر نہ ہونے دینا اگر چہ تنگ دستی ہو۔

☆ تم ہمت والے بننا کیوں کہ جس کی ہمت کمزور ہو اس کا مرتبہ بھی کمزور ہوتا ہے۔

☆ جب راستے میں چلو تو دائیں بائیں نہ دیکھو بلکہ ہمیشہ نظر زمین کی طرف رکھو۔

☆ دنیا کو حقیر جانو، جو اہل علم کے نزدیک حقیر ہے، کیونکہ کہ اللہ کے نزدیک اہل علم کے لئے جو کچھ ہے وہ اس دنیا سے بہتر ہے۔

☆ اپنے ذاتی کام اور انتظامی امور کسی دوسرے شخص کے حوالے کرو تا کہ علم پر پوری طرح متوجہ ہو سکو اور اس سے تمہاری عزت محفوظ رہے گی۔

☆ دیوانوں سے بات کرنے سے پرہیز کرنا اور ان لوگوں سے بات مت کرنا جو طلب جاہ کے لئے بحث کرتے ہیں۔

☆ جب تم ایسے لوگوں کے پاس جاؤ جو تم سے بڑے ہوں تو ان کے ہوتے ہوئے اس وقت تک نشست وغیرہ میں برتری اختیار مت کرنا جب تک کہ وہ تم کو برتری نہ دیں۔

☆ جب تم کسی جماعت کے اندر موجود ہو تو نماز پڑھانے میں ان سے آگے مت بڑھنا جب تک کہ وہ خود ہی تم کو بطور اکرام آگے نہ بڑھائیں۔

☆ عوامی تفریح گاہوں میں مت جانا۔

☆ مجلس میں غصہ سے پرہیز کرنا۔

☆ عوام میں اور بازاری لوگوں میں جو شخص تمہارے ساتھ جھگڑا کرے تم اس سے مت جھگڑا کرنا ایسا کرو گے تو عزت جاتی رہے گی۔

☆ جو لوگ تم سے فقہ حاصل کرنے والے ہوں ان کی طرف پوری توجہ کرنا ان کو اپنی اولاد کی طرح سمجھنا۔

☆ اگر تم دس سال بھی بغیر خوراک اور بغیر کسب معاش کے رہ جاؤ تب بھی علم کی جانب سے روگردانی نہ کرنا۔

☆ عوام کے سامنے صرف اسی بارے میں بات کرنا جس کے بارے میں تم سے سوال کیا جائے۔ یعنی بقدر ضرورت شرعی جواب دے کر خاموش ہو جاؤ۔

☆ دنیاوی معاملات اور تجارت کے بارے میں عوام کے سامنے بات مت کرنا سوائے ان امور کے جن کا علم سے تعلق ہوتا کہ یہ سمجھا جائے کہ تم کو مال سے محبت ہے۔ اور اس کی رغبت ہے۔

☆ عوام کے سامنے نہ ہنسو۔

☆ بازاروں میں زیادہ نہ جاؤ۔

☆ راستوں میں بیٹھو اگر تم کو اس کی ضرورت ہو کہ گھر کے علاوہ کسی جگہ بیٹھو تو مسجد میں بیٹھ جانا۔

☆ دوکانوں پر مت بیٹھنا۔

☆ عورتوں کے ساتھ زیادہ گفتگو نہ کرنا اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی کثرت نہ کرنا کیونکہ اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔

☆ زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرنا کیونکہ یہ دل کو مردہ کر دیتا ہے۔

☆ اپنی رفتار میں سکون اور اطمینان اختیار کرنا اور اپنے کاموں میں جلدی مت کرنا۔

☆ جب تم گفتگو کرو تو چیخ و پکار زیادہ نہ کرو، آواز بلند نہ کرو۔

☆ اپنے نفس کے لئے سکون اختیار کرو، اعضاء و جوارح کو کم حرکت دو تا کہ لوگوں کے نزدیک سنجیدگی ثابت ہو جائے۔

☆ اہل ہوا جو بدعت اعتقادی یا عملی میں مبتلا ہوں ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہ کرنا الّا یہ کہ دین کی طرف دعوت دینے کے لئے ان کے پاس جانا پڑے۔ ✿✿

گوشۂ ادب

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

اقبال کے مذکورہ بالا مصرعہ میں تہذیب اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے، یہ جاننا چاہئے کہ اخلاق کسے کہتے ہیں اور ان کا منبع کیا ہے، انسان کے اخلاق حسنہ درحقیقت اللہ کے اسماء حسنیٰ کا انعکاس ہیں، انسانیت اور بشریت کی معراج یہ ہے کہ انسان اللہ کی صفات اختیار کرے اللہ تعالیٰ کی صفات دو قسم کی ہیں ایک وہ جو ذات الٰہی کے لئے خاص ہیں اور دوسرے وہ جو ذات الٰہی کے لئے خاص نہیں، جو صفات ذات الٰہی کے لئے بالکل مختص ہیں جیسے کبریائی اور توحید اور خلق، ان کی نقل تو نہیں کی جاسکتی ہے لیکن باقی دوسرے صفات جیسے علم و حلم، رحم و کرم، عفو و درگذر، ستاری و شکر گزاری، احسان شناسی مدد و سخاوت، دست گیری، خبر گیری و خیر خواہی، دلجوئی اور دلنوازی وغیرہ۔ تو ان میں مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، مثال کے طور پر قدرت کے باوجود، عفو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، انسان کو اس صفت کی نقل کرنی چاہئے اور انتقام لینے کی طاقت کے باوجود معاف کرنے کی عادت اختیار کرنی چاہئے، چنانچہ حدیث میں حکم ہے "تخلقوا باخلاق اللہ" یعنی ربانی اخلاق اختیار کرو، انسان صفات الٰہی کے انوار سے جتنا زیادہ کسب فیض کرے گا اسی قدر زیادہ اس کی روحانیت کی تکمیل ہوگی اور اسی قدر زیادہ وہ ایک آڈیئل (Ideal) انسان بنے گا اور اس کا وجود اخلاق کا پیکر جمیل اور پورے معاشرہ کے لئے خیر و برکت کی سبیل ثابت ہوگا، اس کی صحبت مثل گل ماحول کو خوشبو سے معطر اور راحت و امن کا گہوارہ بنائے گی، ایک حدیث ہے "احب عباد اللہ الی اللہ احسنھم اخلاقاً"، یعنی اللہ کے بندوں میں اللہ کا سب سے محبوب بندہ وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں، ترمذی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ بھاری اور گراں قیمت اور کوئی چیز نہ ہوگی اچھے اخلاق والا اپنے اخلاق سے روزہ دار اور نمازی کا درجہ حاصل کرسکتا ہے۔

اچھے اخلاق روحانی تزکیہ کا ذریعہ ہیں، اخلاقی تعلیمات پر عمل خدا اور رسول کی اطاعت ہے، حسن اخلاق سے آراستگی سے فطرت سلیم اور عقل مستقیم دونوں کے تقاضے پورے ہوتے ہیں، اخلاق سے انسانی شخصیت کی تکمیل ہوتی ہے اور اجتماعی زندگی گزارنے کے لائق ہوتا ہے، اخلاق کا مصدر و منبع مذہب بھی ہے، ہر مذہب نے اخلاق پر زور دیا ہے، حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے ہی میری بعثت ہوئی ہے، اور اس انسان میں کوئی خیر نہیں جس میں اخلاق نہ ہوں، لیکن چمن حیات میں اخلاق کے پھول خوشبودار اسی صورت میں ہوں گے جب وہ بے ریا اخلاق کے پھول ہوں اور ان میں اخلاص پایا جائے ورنہ وہ کاغذی پھول کے مانند بے خوشبو کے پھول ہوں گے، ریا اور نمائش کی نیکی بے نتیجہ ہوتی ہے، قرآن مجید میں اس کی تشبیہ دی گئی ہے "کمثل صفوان" اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی کسان اپنا بیج ایسی چٹان پر چھینٹ دے جس پر مٹی پڑی ہو جہاں زور کی بارش ہوئی تو بیج اور مٹی سب بہہ گئی اور چٹان دھل کر صاف ہوگئی اس بیج سے ایک دانہ بھی پیدا نہ ہوگا، اچھے اخلاق کا اصل منبع انسان کا اپنا ضمیر ہے اور اس کی بے آمیز فطرت ہے "فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا" فطرت اگر مسخ نہ ہوگئی ہو تو انسان ہمیشہ اچھی قدروں کا دلدادہ ہوتا ہے مذہبی تعلیمات اسی اصل فطرت کو پختہ کرنے کے لئے ہوتی ہیں اور انسان کو انحراف سلوک و عمل سے بچانے کے لئے خالق فطرت کی طرف سے پیغمبر کے واسطہ سے پھیلائی جاتی ہیں، ایک صحابیؓ نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں، آپؐ نے فرمایا کسی کو برا مت کہو، حضرت جابرؓ جنہوں نے یہ سوال کیا تھا کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کے بعد کسی کو برا نہیں کہا کسی شریف، کسی غلام یہاں تک کہ جانور کو بھی برا نہیں کہا، حضورؐ نے یہ نصیحت بھی فرمائی کہ تمہیں چاہئے کہ اپنے بھائی سے جب بات کرو تو تمہارا چہرا کھلتا رہے یہ بھی نیکی ہے، ایک بار صحابہؓ سے آپؐ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مفلس وہ ہے جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو آپؐ نے فرمایا: میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت میں گو نماز روزہ کی نیکیاں لے کر آئے گا لیکن اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا کسی کو مارا ہوگا تو اس کی نیکیوں میں سے کچھ کچھ ان لوگوں کو دے دیا جائے گا جن کے ساتھ اس نے زیادتی کی ہوگی اور پھر بھی اس کے ذمہ کچھ باقی رہ گیا تو پھر دوسروں کی برائیاں اس کے نام لکھ دی جائیں گی پھر وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا..... ایک صحابیؓ کے دریافت کرنے پر آپؐ نے فرمایا کہ نیکی حسن اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹک پیدا کرے اور تمہیں پسند نہ ہو کہ لوگ اس کو جانیں، یہی وہ حاسۂ اخلاقی ہے جس کا نام لوگوں نے ضمیر کی آواز رکھا ہے، لیکن جب انسان ضمیر کی آواز سننے سے انکار کردیتا ہے تو بتدریج اخلاقی حاسہ مردہ ہوجاتا ہے اور گناہوں کا زنگ اتنا چھا جاتا ہے کہ پھر انسان کو گناہ کا احساس نہیں ہوتا ہے، بد خلقی پر کوئی انقباض نہیں ہوتا اور پھر انسان کی اخلاقی موت ہوجاتی ہے، وہ خدا کی زمین پر ایک چلتی پھرتی لاش بن جاتا ہے، اس کا وجود انسانی معاشرہ کو زہر آلود کرتا ہے۔

اقبال شاعر اسلام ہے، شاعر دلنواز ہے، اس کی شاعری سے مزرع زندگی ہری ہوتی ہے اس کا یہ شعر (حلقہ یاراں...) قرآنی تعلیم کی ترجمانی ہے قرآن اہل

ایمان کا شعار ہے "رحماء بینھم" اور دوسری جگہ پر "أذلۃ علی المؤمنین" بتایا گیا ہے یعنی آپس میں شفیق اور مہربان اور اہل ایمان کے لئے نرم اور کریم۔ حدیث میں ہے "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" یعنی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے کسی مسلمان کو گزند نہ پہونچے، ایک دوسری حدیث میں ایک مسلمان کے مال اور اس کی آبرو کو بلد الحرام کی طرح محترم قرار دیا گیا، اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ بدکلامی اور تند خوئی کے ساتھ معاملہ کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ نے سب کے ساتھ نیکی مروت و احسان کا معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے "إن اللہ یامر بالعدل والاحسان" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں تمام لوگوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنے کا حکم دیا ہے، البتہ جو خدا اور رسول اور دین اسلام کے دشمن ہیں اور انہوں نے دشمنی پر کمر باندھ رکھی ہے اور برابر جارحیت کا ارتکاب کرتے ہیں تو پھر پوری طاقت کے ساتھ مدافعت کا حکم بھی دیا گیا ہے اسی کی طرف اشارہ ہے دوسرے مصرعہ میں "رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن" قرآن میں بھی مؤمن کی یہی صفت "اشداء علی الکفار" "أعزۃ علی الکافرین" "فلیجدوا فیکم غلظۃ" "وأعدوا لھم ما استطعتم" "جاھد الکفار و المنافقین واغلظ علیھم" بیان کی گئی ہے، ان آیات کا مطلب بھی یہ ہرگز نہیں کہ مسلمانوں کو اہل کفر کے ساتھ بداخلاقی کے ساتھ پیش آنا چاہئے، اس کے برعکس ہر ایک شخص کے ساتھ اخلاق کا معاملہ کرنا چاہئے مذکورہ آیات کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اتنا کمزور نہیں ہونا چاہئے کہ دشمن ان پر حملہ آور ہونے کی جرأت کرسکے اور ان کو نرم چارہ سمجھ لے اور وہ حملہ آور ہو تو مسلمان اپنا دفاع بھی نہ کرسکیں، مسلمانوں کو ضعیف اور کمزور ہونے کے بجائے علم و ہنر اور ہتھیار ہر اعتبار سے طاقتور ہونا چاہئے، اقبال کے اس شعر سے دلوں میں قرآنی اخلاقی اقدار جاگزیں ہوتی ہیں، اقبال کا مذکورہ بالا مصرعہ دلوں کے چمن کو حسن اخلاق کے پھولوں سے معطر کرتا ہے شاعر کا کام اپنے ساحرانہ کلام سے تن مردہ میں جان ڈالنا ہے، خشک اخلاقی تعلیم کو شگفتہ اور دلآویز بنا دینا ہے۔

انسان کے اخلاق میں اپنوں کے لئے یعنی ان سب کے لئے جو نبرد آزما نہیں مہربانی اور نرمی ہونی چاہئے، شاعر نے اس تعلیم کو حلقۂ یاراں کی ترکیب اور بریشم کی تشبیہ استعمال کرکے وجدان انگیز بنادیا ہے، معاملت میں نرم خوئی اور بریشم آسائی اگر نہ ہو تو زندگی جرعۂ تلخاب بن جائے گی، دنیا جد و جہد اور کشمکش حیات کا نام ہے یہاں باہمی مساعدت و معاونت سے کام چلتا ہے گوشہ نشینی اور عزلت گزینی اور کنارہ گیری سے تمدن و تہذیب کی ساری سرگرمیاں بند ہو جائیں گی، اس لئے انسان اختلاط و معاشرت پر مجبور ہے، اختلاط و معاشرت بھی ہو اور زندگی پرسکون اور آسائش گاہ بھی بنی رہے اس کے لئے اخلاقی اصولوں پر عمل ضروری ہے ان اصولوں میں ایک اہم اصول وہی ہے جس کی شاعرانہ تلقین اقبال نے کی ہے کہ:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

یعنی جس وقت مومن میدان کارزار میں نہ ہو اور دشمنوں کے نرغہ میں پھنسا ہوا نہ ہو بلکہ گلستان محبت میں ہو تو اسے بریشم کی طرح نرم ہونا چاہئے اور جائے رواں، رود نغمہ خواں، ابر درفشاں اور شمیم نکہت فشاں بن کر رہنا چاہئے، خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنے کا فائدہ صرف اخلاق کے برتنے والے کو نہیں پہونچتا بلکہ پوری سوسائٹی کو پہونچتا ہے، ایک سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا متاثر ہوتا ہے یہ خوش اخلاقی شمیم چمن بن کر باغ ہستی کو نور و نکہت سے بھر دیتی ہے، پھر روئے زمین رشک فردوس بریں بن جاتی ہے، لیکن اگر حق و باطل کا معرکہ درپیش ہو جیسے افغانستان میں درپیش تھا، عراق میں درپیش تھا، فلسطین میں درپیش ہے تو مومن کو مانند فولاد ہونا چاہئے، عصر جدید کی تاریخ میں مسلمان ہر جگہ شکست سے دوچار ہیں، اس لئے کہ اخلاق بھی نہیں ہے سیرت فولاد نہیں ہے، فولاد کے بنے ہوئے اسلحہ نہیں ہیں فولاد کی اہمیت بھی نہیں معلوم ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی "وانزلنا الحدید فیہ بأس شدید" اسلحہ سازی کے کارخانے نہیں ہیں، وقت اور زمانہ کے معیار کے مطابق اسلحہ سازی کے لئے سائنس اور ٹکنالوجی کی جو قوت درکار ہے وہ بھی مفقود ہے، حالانکہ ان ہتھیاروں کے رکھنے کا حکم ہے جو دوسروں کو مرعوب کرنے اور اپنے وجود کی سلامتی کے لئے ضروری ہے، اس کے علاوہ دنیا کی محبت غالب آچکی ہیں، شہادت کی تمنا دلوں سے رخصت ہوچکی ہے، اسلاف کا جذب دروں نہیں ہے، اقبال نے کہا تھا:

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

اگر آج کی دنیا میں محاذ جنگ پر مومن کے پاس یعنی مسلم ملک کے پاس جدید ترین فضائی در زمینی ہتھیار نہ ہوں اور شہادت کی تمنا نہ ہو تو وہ ملک مصاف زندگی میں شکست کھا جائے گا، مومن کا کام یہ نہیں کہ وہ ہر جگہ شبنم کی طرح تحلیل ہوجائے اور موم کی طرح پگھل جائے، وہ حلقۂ یاراں میں نرم ضرور ہوتا ہے مگر حلقہ دشمناں میں یعنی میدان جنگ میں گرم بھی ہوتا ہے، ہمیشہ منفعل اخلاقیات کا حامل رہنا اور اپنے وقار کی حفاظت نہ کرنا پسندیدہ بات نہیں، یہ وہ معتدل نظام اخلاق نہیں جس کا اسلام کا داعی اور علمبردار ہے یہ منفعل اور غیر معتدل اخلاق ہے مسیحیت جس کی تعلیم دیتی ہے اور جس کے ماننے والے اس پر کبھی عمل نہیں کرسکے کیونکہ اس میں توازن اور اعتدال نہیں، مثال کے طور پر مسیحیت کی تعلیم یہ کہ دشمن کو بھی پیار کرو، اسلام کی تعلیم یہ تو ہے کہ دشمن کو بھی معاف کرو یا اس کے ساتھ حسن سلوک کرو "لایجرمنکم شنآن قوم ان لا تعدلوا ھو اقرب للتقوی" "ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی أحسن" لیکن اسلام نے یہ نہیں کہا کہ دشمن سے پیار کرو، چونکہ پیار دل کا فعل ہے اور یہ عملاً ممکن نہیں۔ ضرورت پیش آنے پر تلوار بھی اٹھائی جاسکتی ہے، اسلام کا نظام اخلاق زیادہ معتدل اور متوازن

ہے، اسی لئے کہا گیا ہے "قاہری بادلبری پیغمبری است" خود اقبال نے مومن کو قہاری اور غفاری اور قدوسی و جبروت ان چاروں عناصر کے امتزاج کا حامل بتایا ہے، یہ چاروں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہیں۔

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

عام حالات میں دوسروں کے ساتھ معاملت میں زبان کی نرمی اور شائستگی کا خاص طور پر خیال ہونا چاہئے تلوار اور ہتھیار کا زخم تو آسانی سے بھر جاتا ہے لیکن زبان کا زخم آسانی کے ساتھ نہیں بھرتا، خوش زبانی اور خوش بیانی سے بڑھ کر کوئی اور ملاطنت اور شرافت نہیں۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کیا میں تمہیں بتاؤں کہ دوزخ والے کون ہیں صحابہ نے عرض کیا "بتایئے یا رسول اللہ" تو آپؐ نے فرمایا "درشت مزاج بدمزاج شیخی بگھار نے والا مغرور" حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کے پاس بھیجا تو تاکید کی "قولا لہ قولا لینا" یعنی اس سے بہت نرمی کے ساتھ پیش آنا مخالف دشمن کے ساتھ بھی گفتگو میں نرم زبانی اور حسن اخلاق کی تاکید کی گئی ہے، اکبر الہ آبادی نے شیریں زبانی کو جہاں بانی تک پہونچنے کا ذریعہ بتایا ہے

بنو گے خسروئے اقلیم دل شیریں زباں ہوکر
جہاں گیری کرے گی یہ ادا نور جہاں ہوکر

خسرو اور شیریں اور جہاں گیر اور نور جہاں کے استعاروں اور تلمیحات نے شعر کو بلندی میں آسمان تک پہونچا دیا ہے اور واعظانہ نصیحت نے شاعرانہ اور فنکارانہ صنعت کا درجہ اختیار کرلیا ہے، ایک فارسی شعر بھی ہے جسے انسان پیش نگاہ رکھے اور اس پر عمل کرے تو دین و دنیا دونوں میں سرخروئی پاسکتا ہے۔

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے نیاز میں وہی عمل قبول کے قابل ٹھہرتا ہے جس میں اخلاص ہو، اگر انسان سامنے تو ریشمی خلعی بنا رہے بشاشت اور خوش اخلاقی کا مجسمہ بن جائے لیکن پیٹھ پیچھے عیب چینی میں مشغول رہے اور برائی کے بیان سے اپنی زبان کو آلودہ کرے یعنی اس گناہ کا مرتکب ہو جسے قرآن مجید نے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے تو اس کی یہ ظاہری خوش خلقی فریب اخلاق اور ریاکاری قرار دی جائے گی، اسلام میں جو معاشرہ مطلوب ہے وہ اخلاص کی روح کے ساتھ خوشگوار تعلقات کا معاشرہ ہے وہ ایسا معاشرہ ہے کہ جس میں صرف بظاہر نہیں بلکہ بباطن بھی ایک دوسرے سے محبت ہوتی ہے اور آپس کا اعتماد باقی رہتا ہے، اس لئے چاہئے کہ جب کوئی شخص کسی سے مخاطب ہو تو محسوس ہو کہ چہرہ بشاشت سے گلنار ہے اور زبان سے موتی جھڑ رہے ہیں اور جب غائبانہ کسی شخص یا ادارہ کا تذکرہ ہو تو لازم ہے کہ منفی کے بجائے مثبت انداز اختیار کیا جائے اس کے قابل تعریف کارنامے گنائے جائیں محفل غیبت سے خالی ہو اگر تنقید کی ضرورت محسوس کی جائے تو قابل تعریف باتوں کا تذکرہ پہلے آئے اور تنقید بعد میں اور تنقید میں بھی شائستگی و تہذیب کا ایسا بلند معیار پیش کیا جائے کہ متعلقہ شخص اور ادارے کو اس کی خبر بھی ہو جائے تو اس کی پیشانی پر بل نہ پڑے اور تنقید بار خاطر نہ ہو، قرآن میں واضح حکم ہے "ولا یغتب بعضکم بعضا" یعنی ایک دوسرے کی غیبت مت کرو پھر یہ بھی حکم ہے "اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم" یعنی بدگمانیوں سے پرہیز کرو بہت سے گمان گناہ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلم معاشرہ میں باہمی اعتماد کی فضا پیدا ہو، اقبال مرد مومن کے اندر یہی اوصاف دیکھنا چاہتے ہیں مسلم معاشرہ کو بدگوئی بدکلامی بدتہذیبی، بداخلاقی سے پاک اور رفق و نرمی سے معمور دیکھنا چاہتے ہیں، اس وقت مسلم معاشرہ کا حال اس کے برعکس ہے زبان کھلتی ہے تو غیبت اور بدگوئی پر کھلتی ہے دوسروں کی اچھی باتوں اور نیک کاموں کے تذکرہ میں بخل سے کام لیا جاتا ہے کشادہ دلی کے بجائے تنگ دلی وسعتِ نظر کے بجائے تنگ ظرفی کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے، جس طرح انگریزی اور دوسری زبانوں کی بول چال یعنی کنورسشن کی پریکٹس کرائی جاتی ہے اس کے لئے ادارے قائم ہوتے ہیں، اسی طرح سے غیبت فری کنورسیشن، کی عادت بھی بڑی پریکٹس کے بعد حاصل ہوتی ہے اور تربیت یافتہ لوگوں کی صحبت میں رہ کر یہ دولت و نعمت حاصل ہوتی ہے، ورنہ اب حال یہ ہوگیا ہے کہ ہر شخص اپنے دوش پر پندار کا ایک صنم کدہ اٹھائے ہوئے نظر آتا ہے۔ جس محفل میں جایئے وہ محفل تھوڑی دیر میں غیبت زار بلکہ غیبتوں اور بغض و کینہ اور تعصب کے کانٹوں کا خارزار نظر آتی ہے حالانکہ اسلام کے مزاج کے اعتبار سے کہ اسے حسن اخلاق کا گلزار ہونا چاہئے تھا، قرآن و حدیث میں بار بار صبر کی تلقین کی گئی ہے، مومن کو مشتعل نہیں ہونا چاہئے، ابوداؤد کی حدیث ہے ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوتے تھے گالی دی، وہ سن کے چپ رہے اس نے دوبارہ وہی حرکت کی وہ پھر بھی چپ رہے اس نے پھر تیسری دفعہ بدزبانی کی تو چپ نہ رہ سکے اور کچھ بول اٹھے یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوراً اٹھ گئے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ مجھ سے خفا ہو گئے آپ نے فرمایا اے ابوبکرؓ جب تک تم چپ تھے خدا کا فرشتہ تمہاری طرف سے کھڑا تھا جب تم نے جواب دیا تو وہ ہٹ گیا، آج مسلمانوں کے خلاف متعصب اور تنگ نظر غیر مسلم لیڈر جو بیان دیتے ہیں اور تقریریں کرتے ہیں ان کا جواب وہی طرز عمل ہے جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تلقین فرمائی ہے اور خود قرآن مجید میں اللہ کے خاص بندوں کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان میں یہ وصف بھی ہے "وعباد الرحمن الذین یمشون علی الأرض هونا و إذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما" رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل مخاطب ہوتے ہیں تو ہو کہتے ہیں بس سلام ہو۔

آج مسلمانوں کی صفوں میں انتشار اس

لئے ہے کہ باہمی اکرام کے بجائے باہمی دشنام کو ہم نے اپنا شعار بنالیا ہے ہماری زبانیں بے قابو ہوگئی ہیں کبھی کسی فرد کے خلاف، کبھی کسی مسلک والوں کے خلاف، کبھی کسی جماعت یا تنظیم کے خلاف، کبھی کسی ذات اور برادری کے خلاف، کبھی کسی ریاست یا ضلع یا علاقہ سے تعلق رکھنے والوں کے خلاف ہماری زبانیں مخفلوں میں زہر طنز و استہزا اگلتی ہیں اور اس وقت ہم بزعم خود دانشور اور تعلیم یافتہ بنے رہتے ہیں اور خود کو دین دار بھی سمجھتے رہتے ہیں اور ہمیں یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم اس طرح دائرہ اسلام سے اگر نہیں تو دائرہ شریعت سے ضرور باہر ہو جاتے ہیں اور قرآن کے ممنوعہ حدود میں قدم رکھتے ہیں، قرآن تو یہ حکم دے رہا ہے:

یا ایها الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسی أن یکونوا خیراً منهم ولا نساء من نساء عسی أن یکن خیرا منهن ولا تلمزوا أنفسکم ولا تنابزوا بالالقاب (الحجرات)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسرے عورتوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ آپس میں ایک دوسرے پر طعن کرو اور نہ برے القاب سے یاد کرو۔"

حضرت ابوبکرؓ نے ایک خطبہ میں حدیث کے یہ الفاظ بیان کئے "لاتقاطعوا ولاتباغضوا ولا تحاسدوا وکونوا عباد الله اخوانا" یعنی باہم قطع تعلق مت کرو، آپس میں بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو، اور اللہ کے بندو بھاء بھائی ہو جاؤ، یہ حضرت ابوبکرؓ کا قول ہے "لا یحقرن احدکم احدا من المسلمین فان صغیر المسلمین عند الله اکبر" یعنی کوئی شخص کسی مسلمان کو حقیر نہ سمجھے ایک چھوٹا مسلمان بھی اللہ کے نزدیک بڑا ہے۔

مسلمانوں کی ساری توجہ اپنی صفوں کو درست کرنے اتحاد پیدا کرنے اور نئی نسل کو تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنے اور برادران وطن تک اسلام کا تعارف کرانے پر مرکوز ہونی چاہئے، باہمی حسن سلوک کی اس درجہ اہمیت ہے کہ ایک اعرابی نے خدمت نبویؐ میں آکر عرض کیا یا رسول اللہ وہ بات بتایئے جس کے کرنے سے جنت مل جائے، آپ نے اس کو چند باتیں بتائیں منجملہ ان کے فرمایا، ظالم رشتہ دار پر اپنی عنایتوں کی بارش کرو، حسن اخلاق کے پھولوں سے باہمی اعتماد و اتحاد اور حسن ظن کی خوش رنگ فضا قائم ہوتی ہے، دوستوں کی تعریف کرنے میں کوئی کمال نہیں کمال یہ ہے کہ انسان مخالفوں کے اندر بھی خوبیاں ڈھونڈھے اور انہیں بیان کرے، دوسروں کی نیکیوں اور خوبیوں کا تذکرہ کرنے سے نیکیوں اور خوبیوں کا چمن لہلہاتا ہے، اور پوری ملت ایک جسد واحد کے مانند ہوتی ہے کہ کسی ایک عضو میں کانٹا چبھے تو پورا جسم کرب و درد محسوس کرتا ہے۔

آج کی محفل شناسی کے لئے اقبال کے جس شعر کو زیب عنوان بنایا گیا ہے افسوس یہ ہے کہ اسے پڑھا تو جاتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کیا جاتا ہے، اقبال نے اپنا یہ پیغام صرف اسی شعر میں نہیں پیش کیا ہے بلکہ اور بہت سے دوسرے اشعار میں بھی پیش کیا ہے۔

مصاف زندگی میں سیرت فولاد پیدا کر
شبستان محبت میں حریر و پرنیاں ہوجا
گزر جا بن کے سیل تند رو کوہ و بیاباں میں
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہوجا

☆☆☆

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

☆☆☆

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مرد خلیق

☆☆☆

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دلنواز
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
مسلماں کے لہو میں ہے سلیقہ دلنوازی کا
مروت حسن عالمگیر ہے مردان غازی کا

☆☆☆

جب مسلمانوں کے اخلاق میں مروت اور ملنساری ہوگی دلنوازی کا سلیقہ ہوگا، جب ہر مسلمان کے سامنے بلند مقاصد ہوں گے اور گرم دم جستجو ہونے کی خصوصیت اس کو تعلیم اور ہنر میں اور دینی صلاحیتوں میں سب سے ممتاز کردے گی، جب وہ عالم ایجاد میں صاحب ایجاد جائے گا تو وہ بغیر شمشیر کے فاتح عالم بن جائے گا ملک اور بیرون ملک ہر جگہ مسلمانوں کا وقار قائم ہوگا صرف افراد نہیں قومیں بھی اس سے متاثر ہوں گی، اور مائیں اپنے بچوں کو نصیحت کریں گی کہ پڑھنے لکھنے اور اخلاق میں ممتاز ہونے کے لئے کلاس کے اندر اور باہر مسلمان ساتھیوں کو دوست بناؤ کہ اخلاق اور تعلیم میں وہ دوسروں سے بہتر ہوتے ہیں اور بعض مائیں یہ نصیحت کریں گی کہ مسلمانوں سے دوستی نہ کرنا کیونکہ کئی طالب علم اور نوجوان محلہ میں مسلمانوں سے دوستی کے نتیجہ میں ان سے متاثر ہوکر دھرم پریورتن کر بیٹھے ہیں۔

خیابانیوں سے ہے پرہیز لازم
ادائیں ہیں ان کی بہت دلبرانہ

☆☆☆

.....بقیہ: سیرت واخلاق کی تعمیر میں.....

حدیث شریف میں دوسرا حصہ اخلاق و سیرت سازی سے تعلق رکھتا ہے، اور ان کا اخلاق کی درستگی اور سیرت سازی میں اور انسان کی زندگی اور طور و طریق کو بہتر بنانے اور ترقی دینے میں بڑا کردار ہے، حدیث کے مسائل عبادت و فقہ تو کوئی بھی عالم دین حسب ضرورت و طلب بتا سکتا ہے اور مدرسہ میں پڑھ سکتا ہے اور یہ سلسلہ الحمدللہ دور اول کے بعد ہی سے قائم چلا آرہا ہے، لیکن دوسرا پہلو جو اخلاق کی درستگی اور سیرت سازی کا ہے، اس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث طیبہ کا مطالعہ کرنا ضروری ہے کیونکہ اصلاح باطن اور تقویٰ اور خوف خدا خوف آخرت سے پیدا ہوتا ہے اور اس کے لئے حدیث شریف میں بڑا ذخیرہ ہے۔ ☆☆☆

حق کی روشنی

جب نور ظلمتوں پر غالب آگیا

(مولانا) شمس الحق ندوی

امام قرطبیؒ نے سند متصل کے ساتھ ایک واقعہ امیر المومنین مامون کے دربار کا نقل کیا ہے کہ مامون کی عادت تھی کہ کبھی کبھی اس کے دربار میں علمی مسائل پر بحث ومباحثہ اور مذاکرے ہوا کرتے تھے، جس میں ہر اہل علم کو آنے کی اجازت تھی، ایسے ہی ایک مذاکرہ میں ایک یہودی بھی آگیا، جو صورت، شکل اور لباس وغیرہ کے اعتبار سے بھی ایک ممتاز آدمی معلوم ہوتا تھا، پھر گفتگو کی تو وہ بھی فصیح وبلیغ اور عاقلانہ گفتگو تھی، جب مجلس ختم ہوگئی تو مامون نے اس کو بلا کر پوچھا کہ تم اسرائیلی ہو؟ اس نے اقرار کیا، مامون نے امتحان لینے کے لئے کہا کہ اگر تم مسلمان ہوجاؤ تو تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں گے۔

اس نے جواب دیا کہ میں تو اپنے آباء و اجداد کے دین کو نہیں چھوڑتا، بات ختم ہوگئی، یہ شخص چلا گیا، پھر ایک سال کے بعد یہی شخص مسلمان ہوکر آیا، اور مجلس مذاکرہ میں فقہ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر اور عمدہ تحقیقات پیش کیں، مجلس ختم ہونے کے بعد مامون نے اس کو بلا کر کہا کہ تم وہی شخص ہو جو سال گذشتہ آئے تھے؟ جواب دیا ہاں وہی ہوں، مامون نے پوچھا کہ اس وقت تو تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا تھا، پھر اب مسلمان ہونے کا سبب کیا ہوا۔

اس نے کہا میں یہاں سے لوٹا تو میں نے موجودہ مذاہب کی تحقیق کرنے کا ارادہ کیا، میں ایک خطاط اور خوشنویس آدمی ہوں، کتابیں لکھ کر فروخت کرتا ہوں تو اچھی قیمت سے فروخت ہوجاتی ہیں، میں نے امتحان کرنے کے لئے تورات کے تین نسخے کتابت کیے، جن میں بہت جگہ پر اپنی طرف سے کمی بیشی کردی اور یہ نسخے لے کر میں کنیسہ میں پہونچا، یہودیوں نے بڑی رغبت سے ان کو خرید لیا، پھر اسی طرح انجیل کے تین نسخے کمی بیشی کے ساتھ کتابت کر کے نصاریٰ کے عبادت خانہ میں لے گیا وہاں بھی عیسائیوں نے بڑی قدر ومنزلت کے ساتھ یہ نسخے مجھ سے خرید لیے، پھر یہی کام میں نے قرآن کے ساتھ کیا، اس کے بھی تین نسخے عمدہ کتابت کیے جن میں اپنی طرف سے کمی بیشی کی تھی، ان کو لے کر جب میں فروخت کرنے کے لیے نکلا تو جس کے پاس لے گیا اس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہے یا نہیں، جب کمی بیشی نظر آئی تو اس نے مجھے واپس کردیا۔

اس واقعہ سے میں نے سبق لیا کہ کتاب محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے اس کی حفاظت کی ہوئی ہے، اس لئے مسلمان ہوگیا، قاضی یحییٰ بن اکثم اس واقعہ کے راوی کہتے ہیں کہ اتفاقاً اسی سال مجھے حج کی توفیق ہوئی، وہاں سفیان بن عیینہ سے ملاقات ہوئی، تو یہ قصہ ان کو سنایا انھوں نے فرمایا کہ بیشک ایسا ہی ہونا چاہئے، کیونکہ اس کی تصدیق قرآن میں موجود ہے۔

یحییٰ ابن اکثم نے پوچھا قرآن کی کون سی آیت میں؟ تو فرمایا کہ قرآن عظیم نے جہاں تورات اور انجیل کا ذکر کیا ہے، اس میں تو فرمایا "بما استحفظوا من کتب اللہ" یعنی یہود ونصاریٰ کو کتاب اللہ تورات وانجیل کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب یہود ونصاریٰ نے فریضہ حفاظت ادا نہ کیا تو یہ کتابیں مسخ وتحریف ہوکر ضائع ہوگئیں، بخلاف قرآن کریم کے اس کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا "انا لہ لحفظون" یعنی ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

نگاہ مرد مومن

عبداللہ ابوموسیٰ تستری کا بیان ہے کہ مجھے نصیحت کی گئی جہاں کہیں ہو عالم وفقیہ کے پاس رہو چنانچہ امام اوزاعی کے پاس بیروت آیا، امام نے دوران قیام سوال کیا تم کس دین پر ہو میں نے ان کو بتایا کہ مجوس مذہب پر تھا، اب اسلام قبول کرلیا ہے، امام نے پوچھا تمہارے والد ہیں؟ میں نے عرض کیا ہاں وہ عراق میں ہیں اور اپنے مجوسی مذہب پر قائم ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا کیا تم ان کے پاس جاسکتے ہو شاید اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ان کو ہدایت دے اور وہ اسلام لے آئیں۔ میں نے عرض کیا کیا آپ کا یہی منشاء ہے فرمایا: ہاں۔ امام صاحب کے ارشاد کے بعد میں والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت وہ بیمار تھے والد صاحب نے پوچھا پیارے بیٹے تم کس دین پر ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں تو مسلمان ہوگیا ہوں میرا جواب سن کر والد صاحب نے فرمایا مجھے اپنے دین کی تفصیل سناؤ، جب میں نے تفصیل سے والد صاحب کو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بتایا تو انھوں نے کہا تم گواہ رہو کہ میں اسلام لے آیا۔

اسی مرض میں والد صاحب کا انتقال ہوگیا ان کی تدفین کے بعد میں امام اوزاعی کے پاس واپس آیا اور ان کو پورا قصہ سنایا (۱)۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک بندہ عمر بھر اپنے مالک کا باغی رہتا ہے بس جہنم میں داخل ہی ہونے والا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمادیتا ہے۔ یہ واقعہ حدیث پاک کی تصدیق اور مومن کے اس شعر "اب آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے" کا جواب ہے کہ اسلام اور توبہ کا دروازہ جانکنی کا عالم شروع ہونے سے پہلے تک کھلا ہوا ہے۔ تاکہ کوئی بندہ رحمتِ خداوندی سے مایوس نہ ہو، مومن کا پورا شعر یہ ہے۔

عمر ساری کٹی عشق بتاں میں مومن
اب آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے

❁❁❁

(۱) "التاریخ الکبیر" ابن ابی خیثمہ محفوظہ کتب خانہ محمودیہ مدینہ منورہ۔

فکر ابوالحسن علی ندوی

سید ندویؒ کی اقبال شناسی

ڈاکٹر تابش مہدی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۱۴ء-۱۹۹۹ء) کے تعارف کے ایک دو نہیں، گوناگوں ومتنوع حوالے ہیں، وہ علم وقلم کے عالمی منظر نامے پر ایک کثیر التصانیف مصنف کی حیثیت سے بھی اپنی شناخت قائم کرچکے ہیں اور عربی واردو کے صاحب طرز ادیب وانشاء پرداز کی حیثیت سے بھی، اسلامی تاریخ وتہذیب کے ایک بڑے عالم کی حیثیت سے بھی ان کی شخصیت مسلّم ہے اور عالمِ اسلام کے عظیم المرتبت مفکر وداعی کی حیثیت سے بھی سید ندوی کی تحریروں سے ہمیں زندگی کی مختلف ومتنوع سمتوں اور شعبوں میں رہنمائی ملتی ہے، ان تحریروں میں ان سے ہمارا تعارف قرآنی علوم کے ایک رمز شناس کی حیثیت سے بھی ہوتا ہے اور حدیث وسیرت کے ایک ژرف میں غواص ومحقق کی حیثیت سے بھی اور تاریخ وتہذیب کے عظیم عالم، علم کلام کے قابل اعتبار ماہر، شگفتہ رقم شخصیت نگار اور عربی واردو ادبیات کے سنجیدہ ناقد کی حیثیت سے بھی۔ سید ندوی کی شخصیت کا یہی وہ وصف ہے جو انھیں ان کے تمام ہم عصروں میں ممتاز کرتا ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا علم و دین، شعر وادب اور زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق ایک خاص نقطۂ نظر، ان کے وسیع تجربوں اور گہرے مشاہدوں کا نتیجہ ہے، سید ندویؒ نے اپنے کسی بھی نقطۂ نظر یا رائے کے اظہار میں کبھی کسی گروہ یا جماعت کی لومۃ لائم کی فکر نہیں کی، جو بات انھیں درست وصائب نظر آئی، ان کی برملا تحسین کی اور جو بات انھیں کھٹکی، اس پر اپنی ناپسندیدگی کے اظہار میں کوئی باک نہیں محسوس کیا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ادب میں مقصدیت کے قائل ہیں، اس سلسلے میں ان کی واضح اور بے آمیز رائے یہ ہے کہ شعر وادب کا ملکہ اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم عطیہ ہے، یہ ایک ایسا ناقابل تسخیر ہتھیار ہے، جس سے افکار وخیالات کی دنیا میں ایک بڑا انقلاب لایا جاسکتا ہے، باطل وفاسد ماحول کے خلاف دلوں میں غضب وانتقام اور طبیعتوں میں بے چینی اور اضطراب پیدا کیا جاسکتا ہے اور غلط وفاسد نظریات کی جڑیں کاٹ کر صالح اور صحت مند قدروں کو پروان چڑھایا جاسکتا ہے، ان کی رائے میں شاعر وادیب کے قلم میں وہ تاثیر اور قوت تسخیر ہونی چاہئے، جو عصائے موسیٰ یدِ بیضا میں تھی، ان سب کے ساتھ ساتھ پورے عالم انسانیت میں حق وصداقت کی پیام رسانی میں بھی اس کا اہم کردار ہونا چاہئے۔

علامہ اقبالؔ، مولانا مودودیؒ اور دوسرے مفکرین کی طرح سید ندویؒ کا بھی خیال ہے کہ نظریوں اور فلسفوں کے لئے قوتِ جہاد اور جذبۂ ایثار وقربانی ناگزیر ہے، جس نظریے اور فلسفے کی پشت پر یہ چیزیں نہیں ہوتیں وہ نظریہ یا فلسفہ بہت جلد دم توڑ دیتا ہے، ادب وفن کے حوالے سے ان کا نظریہ ہے کہ ادیب، شاعر یا فن کار کا اولین فریضہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے باہر نکل کر پوری کائنات تک رسائی حاصل کرے، چونکہ یہ مادی کائنات مٹی کی طرح ہر چیز کو اپنے اندر جذب اور ہضم کرلینا چاہتی ہے، اس لیے ادیب، شاعر یا فن کار کو کثرت میں وحدت، جلوت میں خلوت اور خود شناسی و خود احتسابی کا دامن نہ چھوڑنا چاہئے، سید ندویؒ کی رائے میں ادب وفن کے وہی شاہکار زندہ وپائندہ رہ سکتے ہیں، جن میں مادیت سے روحانیت کی طرف سفر ملتا ہو، ان کے اسی نظریے نے انھیں حکیم مشرق علامہ اقبالؔ سے قریب کیا ہے۔

سید ندویؒ شعراء میں اقبالؔ کے اس لیے گرویدہ وشیفتہ ہیں کہ وہ ان کی پسند کے معیار پر پورے اترتے ہیں، اقبالؔ کا کلام سید ندوی کے جذبات و احساسات کی کامل ترجمانی کرتا ہے، وہ اقبالؔ کے فکر و عقیدہ کو اپنے فکر اور عقیدے سے ہم آہنگ پاتے ہیں بلکہ انھی کے الفاظ میں اکثر اقبالؔ کا کلام ان کے شعور اور احساسات کا ہم نوا بن جاتا ہے، انھیں اقبالؔ کے فن سے سب سے زیادہ اس بلند حوصلگی اور محبت وایمان نے متاثر کیا ہے، جن کا حسین امتزاج اقبالؔ کے اردو وفارسی کے کلام میں ملتا ہے، ان کے نزدیک کلام اقبالؔ کا یہ وہ امتیازی وصف ہے جو اقبالؔ کے ہم عصروں میں کسی کے ہاں نہیں ملتا، اس پسندیدگی اور گرویدگی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بلند حوصلگی، محبت اور ایمان یہ تینوں چیزیں ہم سید ندوی کی زندگی میں نمایاں طور پر دیکھتے ہیں، اپنے اسی فطری میلان اور طبعی رجحان کی وجہ سے وہ ہر اس ادب کو ذوق وشوق کے ساتھ پڑھتے ہیں، جس میں تخلیق کار نے بلند نگہی، عالی حوصلگی، اور احیائے اسلام کی دعوت دی ہو اور تسخیر کائنات وتعمیر انفس وآفاق کے لیے ابھارا ہو، سید ندوی کے نزدیک اقبالؔ بلند نگہی، محبت اور ایمان کے شاعر ہیں، ان کی شاعری میں عقیدے کی طہارت اور فکر کی بلندی کی دعوت ملتی ہے، وہ مغرب کی مادی تہذیب کے سب سے بڑے ناقد اور باغی کی حیثیت سے شاعری کے منظر نامے پر آئے ہیں، وہ اسلام کی عظمتِ رفتہ کے متمنی اور ملت اسلامیہ کے اقبالِ گزشتہ کے فکر مند تنگ نظر قومیت وعلیت کے مخالف وانسانیت واسلامیت کے داعی ہیں۔

سید ابوالحسن علی ندویؒ اقبالؔ کے عارف و شناسا اور قبالیات کے عالم ورمز شناس کی حیثیت سے اردو تنقید میں درجہ اعتبار حاصل کرچکے ہیں، انھوں نے کلام اقبالؔ کے ناقدانہ مطالعہ کے بعد ان پانچ تخلیقی عناصر کی نشاندہی کی ہے، جنھوں نے اقبالؔ کی شخصیت کو زندہ جاوید شخصیت بنانے میں اہم اور نمایاں کردار ادا کیا ہے، سید ندوی کی رائے میں اقبالؔ کے ہاں اگر یہ پانچ عناصر نہ ہوتے تو اقبالؔ اقبالؔ نہیں بن سکتے تھے۔

سید ندوی نے ''ایمان و ایقان'' کو اقبال کے تخلیقی ارتقا کا عنصر اول قرار دیا ہے، لیکن ان کے نزدیک اقبال کے ''ایمان و ایقان'' میں خشکی یا جمود نہیں ہے، اقبال کے ایمان و ایقان میں عقیدہ و محبت کا ایک ایسا حسین امتزاج ملتا ہے جو اقبال کے قلب و وجدان، عقل و فکر، ارادہ و تصرف اور دوستی و دشمنی غرض کہ اس کی پوری زندگی پر سایہ فگن ہے، ان کے خیال میں اسی ایمان کامل اور یقین واثق نے کلام اقبال میں جوش و ولولہ اور سوز و گداز کی کیفیت پیدا کی ہے، سید ندوی نے لکھا ہے:

''اگر آپ تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ دراصل رقت انگیز شعر، عمیق فکر، روشن حکمت، بلند معنویت، نمایاں شجاعت، نادر شخصیت اور عبقریت کا حقیقی منبع و سرچشمہ محبت اور یقین ہی ہے اور تاریخ عالم میں جو کچھ بھی انسانی کمالات یا دائمی آثار و نشانات نظر آتے ہیں، وہ سب کے سب اسی محبت و یقین کے مرہون منت ہیں، اگر کوئی شخصیت یقین و محبت کے جذبے سے خالی ہے تو پھر وہ گوشت پوست کی صورت ہے اور اگر پوری امت اس سے خالی ہے تو پھر اس کی وقعت بکریوں اور بھیڑیوں کے گلے سے زیادہ نہیں ہے اور اسی طرح اگر کسی کلام میں یقین و محبت کی روح کارفرما نہیں ہے تو پھر وہ ایک مغنی اور موزوں کلام تو ہو سکتا ہے لیکن ایک زندہ جاوید کلام نہیں بن سکتا'' (نقوش اقبال: ص/۵۸)

سید ندوی کے نزدیک اقبال کی شخصیت کو ترفع اور بلندی سے ہم کنار کرنے والا دوسرا اہم عنصر ''قرآن حکیم'' ہے ان کے خیال میں اقبال کے فکر و فن پر جتنا گہرا اثر قرآن حکیم نے ڈالا ہے، اتنا کسی اور کتاب نے نہیں ڈالا، سید ندوی کا خیال ہے کہ چونکہ اقبال کا ایمان ایک ''نومسلم'' کا سا ہے، اسلام کی وراثت انھیں ورثے میں نہیں ملی ہے، اس لیے ان کے ہاں قرآن حکیم سے شغف دلچسپی اور شعور کے ساتھ تلاوت و مطالعہ کا ذوق ہمیں نسلی مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ ہی ملتا ہے، اس ذیل میں انھوں نے اقبال کے اس شعر کو خصوصی اہمیت دی ہے:۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

اقبال کے اسی شعر کے حوالے سے اقبال کے فکر و فن کو اجاگر کرتے ہوئے سید ندویؒ نے بتایا ہے کہ اقبال نے اپنی پوری زندگی قرآن مجید میں غور و فکر اور تدبر و تفکر کرتے ہوئے گزاری ہے اور قرآن مجید ہی اقبال کی وہ محبوب کتاب ہے، جس سے ان پر نئے نئے علوم کا انکشاف ہوتا تھا، انھیں ایک نئی روشنی اور ایک نئی قوت و توانائی حاصل ہوتی تھی۔

سید ندویؒ نے اقبال کی شخصیت کی تعمیر کرنے والا تیسرا اہم عنصر اقبال کے ''عرفان نفس'' کو قرار دیا ہے، اپنی اس رائے کی اساس انھوں نے اقبال کے درج ذیل اشعار پر رکھی ہے:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا، نہ بن اپنا تو بن

من کی دنیا، من کی دنیا سوز و مستی، جذب و شوق
تن کی دنیا، تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن

من کی دولت آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے، آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

ان اشعار پر گفتگو کرتے ہوئے سید ندویؒ نے اپنی اسی رائے کا اظہار کیا ہے کہ اقبال کی کتاب زندگی کے صفحات میں ان کی خودی، خودداری اور خود اعتمادی کے نقوش واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں، اور یہ بھی کہ اقبال کی یہ ساری روحانی بلندیاں ان کے ''عرفان نفس'' کا نتیجہ ہیں، اور ''عرفان نفس'' ہی کا کرشمہ ہے کہ اقبال کے ہاں ہمیں فکری گم راہیاں اور شاعرانہ بے راہ رویاں بالعموم نہیں ملتیں، سید ندوی نے لفظ ''بالعموم'' کا استعمال کر کے خود کو ہدف تنقید بننے سے بچا لیا، اس لیے کہ اقبال کے ہاں فکری گم راہیاں یا شاعرانہ بے راہ رویاں مفقود نہیں ہیں۔

سید ندوی نے اقبال کے فکر و تخیل کو غذا پہنچانے والا چوتھا عنصر اقبال کی آہ سحر گاہی کو قرار دیا ہے، جب ساری دنیا محو خواب ہوتی تھی تو اقبال اٹھ کر اپنے رب کے حضور روتے اور گڑگڑاتے تھے، اسی چیز نے اقبال کی روح کو نشاط قلب، روشنی اور فکر کو غذا عطا کی، اپنی اس رائے کے ثبوت میں سید ندوی نے اقبال کے درج ذیل اشعار پیش کیے ہیں:۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا، بے آہ سحر گاہی

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آداب سحر خیزی

نہ چھین لذت آہ سحر گہی مجھ سے
نہ کر تغافل کو التفات آمیز

سید ندوی نے اقبال کے فکری و تخلیقی ارتقا کا پانچواں اہم عنصر مولانا جلال الدین رومیؒ کی ''مثنوی معنوی'' کو قرار دیا ہے، ان کی رائے میں اقبال کو یورپ کی مادی و عقلی اور بے روح و بے خدا افکار و خیالات اور مادہ و روح کی کشمکش کی صورت میں قلبی اضطراب و فکری انتشار سے محفوظ رہنے میں ''مثنوی معنوی'' نے اقبال کی بڑی مدد کی ہے، اسی وجہ سے اقبال نے مولانا جلال الدین رومیؒ کو اپنا کامل رہنما تسلیم کر لیا اور صاف صاف اعلان کر دیا کہ عقل و خرد کی ساری گتھیاں آتش رومیؒ کے سوز میں پوشیدہ ہیں، اس کا اعتراف اقبال کے ہاں ان اشعار میں ملتا ہے:۔

علاج آتش رومی کے سوز میں ہے تیرا
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں

اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
اسی کے فیض سے میرے سبو میں ہے جیحوں
صحبت پیر روم نے مجھ پہ کیا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بہ جیب، ایک کلیم سر بہ کف

سید ندوی ان ناقدوں میں نہیں ہیں، جو اپنے ممدوح کی ہر کچی پکی بات قبول کر لیتے ہیں، انھوں نے اقبال کے ساتھ محض اپنی عقیدت و شیفتگی کا مظاہرہ نہیں کیا ہے، بلکہ انھوں نے اقبال کے اسلامی عقائد سے متصادم افکار و نظریات پر بھی ناقدانہ گفتگو کی ہے البتہ ایسے مواقع پر انھوں نے اجمال کا رویہ پیش نظر رکھا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے:

''ان (اقبال) کی نادر شخصیت میں بعض ایسے کم زور پہلو بھی ہیں، جو ان کے علم و فن اور پیغام سے میل نہیں کھاتے'' (نقوش اقبال: ص/۴۱)

اسی صفحے پر حاشیے کے ذیل میں سید ندوی نے لکھا ہے:

''ان (اقبال) کے مدراس کے خطبات میں، جو انگریزی میں ہے (The Reconstruction of Religious Thought in Islam) کے نام سے شائع ہو چکے ہیں اور ان کا اردو و عربی ترجمہ بھی ہو چکا ہے، بہت سے ایسے افکار و خیالات ملتے ہیں، جن کی توجیہ و تاویل اور اہل سنت کے اجتماعی عقائد سے مطابقت مشکل ہی سے کی جا سکتی ہے۔''

ان دو اقتباسات کی روشنی میں یہ بات بہ سہولت جانی جا سکتی ہے کہ سید ندویؒ ایک غیر جانبدار اور اصولی ادب فہم و ناقد تھے اور ہمیشہ اپنے اور پرائے کے تصور سے بے نیاز ہو کر صاف اور دوٹوک اظہار رائے کرتے تھے۔

ہر چند کہ سید ندویؒ ایک مذہبی عالم اور رہنما کی حیثیت سے زیادہ متعارف ہیں، اردو ادب و تنقید ان کا اوڑھنا بچھونا نہیں رہا ہے، تاہم ''نقوش اقبال'' اور بعض دوسرے مقالوں اور شعری و ادبی کتابوں کے دیباچوں سے، ادبی تنقید میں بھی ان کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، اقبال پر بہت کچھ لکھا گیا، ہر زاویے سے لکھا گیا ہے اور تادیر لکھا جاتا رہے گا، لیکن جس زاویہ نگاہ سے سید ندویؒ نے اقبال کا مطالعہ کیا ہے اور ان کے شعری و ادبی مقام و مرتبہ کا تعین کیا ہے، وہ سب سے جداگانہ اور منفرد زاویہ نگاہ ہے، یہ بات کامل یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اردو ادب کی صالح اور تعمیری تنقید کے باب میں سید ندویؒ کو بھی نظر انداز نہ کیا جا سکے گا اور جب بھی ماہرین اقبالیات یا اقبال شناسوں کا کوئی تذکرہ لکھا جائے گا، اس میں بہر حال سید ابوالحسن علی ندوی کا نام اور کام سرفہرست ہوگا۔

❁❁❁

.....بقیہ: حقیقت توحید.....

بعضها فوق بعض، اذا اخرج یده لم یکد یراها ومن لم یجعل الله له نوراً فماله من نور"

''یا انکی مثال ایسی تاریکیوں کی طرح ہے جو سمندر کی تہ میں ہوں جس کو ایک موج نے چھپا رکھا ہے اس کے اوپر دوسری موج ہے اور اس کے اوپر بادلوں کا سایہ ہے تاریکیوں کے پرے کے پرے ہیں ہاتھ نکالے تو بجھائی نہ دے، اور جس کے لئے اللہ نے روشنی نہیں رکھی تو اس کے لئے روشنی کہاں''۔

اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو توحید کی روشنی عطا فرمائی ہے اس روشنی میں زندگی کا سفر بامراد ہے، منزل مسافر کی منتظر ہے، اگر توحید کی لو دھیمی پڑ گئی تو ہزار ٹھوکروں کا ڈر ہے۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے اپنے انبیاء کی قبروں کو انہوں نے سجدہ گاہ بنا لیا ہے، آج ہماری حس بھی توحید کے بارے میں کمزور ہو گئی، قبروں پر وہ سب کچھ ہونے لگا جو دوسری قوموں کا شعار تھا، اگر آج آکر مشرکین مکہ یہ دعویٰ کریں کہ ہمیں کیوں جلاوطن کیا گیا کس جرم کی پاداش میں ہم کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا آخر ہم میں اور تم میں کیا فرق باقی رہا ہم بت کے سامنے سجدہ کرتے تھے تم قبر کے آگے سجدہ کرتے ہو، ہم بتوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے تھے تم مٹی کے ڈھیر کو حاجت روا سمجھتے ہو، تو ہمارے سامنے اس کا کیا جواب ہوگا۔

مسلمانوں کے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ اصل پونجی ان کے ہاتھ سے جا رہی ہے، اگر توحید کا عقیدہ مسلمانوں میں کمزور پڑتا گیا تو کیا امتیاز باقی رہ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صاف فرما دیا ہے، ''الا لہ الخلق والامر'' خبردار ہو جاؤ اور اچھی طرح سن لو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے نظام چلانا، یہ ہمارا عقیدہ ہونا چاہئے کہ دنیا کا کلی نظام اسی کے ہاتھ میں ہے نہ کوئی پتہ اڑ سکتا ہے اور نہ کوئی ذرہ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے جب اللہ کا حکم نہ ہو، روزی دینے والا، اور اولاد دینے والا، اچھی بری تقدیر کا بنانے والا صرف وہی ہے کوئی اس میں شریک نہیں، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اسی وقت نصیب ہو سکے گی جب ہمارا عقیدۂ توحید مضبوط ہو، اللہ سے ہمارا رشتہ جڑا ہوا ہو۔

بخاری شریف میں روایت منقول ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو خطاب کر کے فرمایا جانتے ہو بندوں پر اللہ کا حق کیا ہے، حضرت معاذؓ نے فرمایا، اللہ اور اس کے رسول زیادہ واقف ہیں آپ نے فرمایا کہ بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ بندے صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کریں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا معلوم ہے کہ اللہ پر بندوں کو کیا حق ہے جواباً حضرت معاذ نے وہ بات دہرائی کہ اللہ اور اسکے رسول زیادہ واقف ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے یہ حق اپنے ذمہ کر لیا ہے کہ ایسے بندوں کو عذاب میں نہ ڈالے۔

عالم اسلام

صدام حسین کی مخالفت کیوں؟

(مولانا) نذر الحفیظ ندوی

عربی میں محاورہ ہے کہ ''اَسماء تنزل من السماء'' نام کے اثرات انسانوں کی زندگی پر ہوا کرتے ہیں، اور نام کے مطابق سیرت و کردار کی تشکیل ہوا کرتی ہے، صدام حسین کا نام بھی ان ناموں میں ہے جو اسم بامسمّی ہے صدام کی پوری زندگی قتل و غارت گری اور تخریب کاری سے عبارت ہے، یہ ہماری ذاتی رائے نہیں ہے اور مغربی میڈیا کا کہنا ہے، امریکی میڈیا تو نئی ٹکنک سے کام لے کر صدام کو ہیرو اور اپنا مخالف دونوں حیثیتوں سے پیش کر رہا ہے اور ہم سب ان تمام خبروں کو وحی کا درجہ دینے پر اصرار کر رہے ہیں، ہمارے جو مضامین ان صفحات میں شائع ہوئے ہیں ان کو پڑھ کو ایک تعداد شکوک وشبہات میں مبتلا ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ صرف ہم ہی کیوں صدام کی مخالفت کر رہے ہیں، پوری دنیا تو اس کی تعریف کر رہی ہے، آپ امریکی و برطانوی سپر پاور کا مقابلہ کرنے والے کو برا بھلا کہہ رہے ہیں، اس کو ایجنٹ اور ظالم وسفاک اور دین دشمن بتا رہے ہیں..... آپ کی معلومات کا ذریعہ کیا ہے.....؟ آپ کیوں اسلام کے اس مجاہد اور استعماری طاقتوں کے سب سے بڑے مخالف کی مذمت پر تلے ہوئے ہیں؟ ہم ایسے قارئین کو بتانا چاہتے ہیں کہ اس موضوع پر ہم چالیس سال سے لکھ رہے ہیں، تعمیر حیات، الرائد، البعث الاسلامی نے مصری صدر جمال عبدالناصر کی مخالفت کی اور انکی ناعاقبت اندیشی اور اسلام دشمنی کے خلاف اتنی سخت تحریریں لکھی گئیں کہ ہندوستانی وزرات خارجہ نے حضرت مفکر اسلام اور البعث الاسلامی کے ایڈیٹر سید محمد الحسنی مرحوم کو بلا کر تنبیہ کی اور مولانا کا پاسپورٹ لے لیا، جمیعۃ العلماء نے باقاعدہ حضرت مولانا کی ایسی تحریروں کے خلاف مہم چلائی لیکن ندوۃ العلماء کے تینوں ترجمان حق بات کہتے رہے یہاں تک کہ جمال عبدالناصر کی موت کے بعد جب تمام حقائق سامنے آئے تو لوگوں نے اعتراف کیا کہ ندوۃ العلماء کی پالیسی ہی صحیح تھی، اس طرح کویت پر جب صدام نے حملہ کر کے غاصبانہ قبضہ کر لیا تو ندوۃ العلماء کے تینوں ترجمانوں نے صدام کی پالیسی کے خلاف سخت لب و لہجے میں مضامین لکھے، کانفرنسیں کیں، اخبارات میں مراسلے لکھے، آج بھی ہمارے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے، اس لئے کہ صدام کی اسلام دشمن بلکہ انسانیت دشمن اور ملک دشمن پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، دوسری بات یہ ہے کہ ہم یوں ہی ہوائی باتیں نہیں لکھ رہے ہیں اور نہ ہی ہم تن تنہا یہ باتیں لکھ رہے ہیں بلکہ درجنوں کتابیں عربی اور انگریزی میں لکھی جا چکی ہیں، صدام کے جانے کے بعد تو اب عراق کے اندر باہر بھی اس موضوع پر مقالات اور کتابیں کثرت سے شائع ہو رہی ہیں، لیکن ایسی کتابوں اور مضامین کے بارے میں آپ کو مغربی میڈیا کیسے بتائے گا، پھر جو لوگ لاکھوں روپئے کی رشوت پہلے ہی عراقی سفارت خانوں سے وصول کر چکے ہیں وہ کیوں صدام کی مخالفت میں لکھیں گے اور امریکہ کیوں پسند کرے گا کہ اس کے زرخرید غلام کے خلاف خبریں شائع کی جائیں کہ امریکہ ہی کا سب کیا دھرا ہے، فی الحال ہم اپنے اس مضمون کی تلخیص پیش کر رہے ہیں جو ہم نے آج سے تیرہ سال قبل اس وقت لکھے تھے جب صدام نے کویت پر قبضہ کر لیا تھا۔

اپریل ۱۹۳۷ء میں تکریت قصبہ میں صدام حسین پیدا ہوئے، ان کے والد کا انتقال پیدائش سے پہلے ہو چکا تھا، صدام کی والدہ نے ان کے چچا سعدون تکریتی سے نکاح کر لیا، اور اپنے نئے شوہر کے ساتھ شویش نامی بستی میں رہنے لگیں، صدام کے ماموں خیر اللہ طلفاح کو یہ شادی پسند نہیں تھی، وہ اپنی بہن سے ناراض تھے، اسی لئے صدام ماں کے پاس بھی نہیں رہے سعدون تکریتی بھی صدام کو پسند نہیں کرتے، دوسرے چچا کا بھی اچھا سلوک نہ تھا، تکریت میں ابتدائی تعلیم کا کوئی انتظام نہ تھا اس لئے ابتدائی تعلیم کے مرحلہ تک پہونچنے کے باوجود کسی نے بھی صدام کو تعلیم کی طرف متوجہ نہیں کیا، صدام کے ماموں خیر اللہ طلفاح عراقی فوج میں تھے ۱۹۴۱ء میں کرنل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تو ۱۹۴۷ء میں صدام کو ابتدائی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ میں داخل کر دیا، لیکن مدرسہ میں پڑھنے کے بجائے ماموں زاد بھائیوں اور محلے کے لڑکوں کے ساتھ ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہے یہاں تک کہ ایک بار رات میں ماموں کا گھر چھوڑ کر قحبہ نامی بستی چلے گئے جہاں صدام کے کئی چچا رہتے تھے، ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک صدام کے کسی چچا نے ان کو پوچھا تک نہیں، سوتیلے باپ سعدون اکثر چونکہ صدام کی سرزنش کرتے رہتے تھے اس لئے گھر سے باہر ان کا وقت گزرتا تھا، جب صدام چچا کے پاس آئے تو الٹے پاؤں انھیں ایک ٹیکسی میں بیٹھا کر واپس تکریت بھیج دیا گیا، لیکن ان کو ایک رائفل کا تحفہ دیا گیا جو گولیوں سے بھرا ہوا تھا، مگر کسی چچا نے یہ نہیں بتایا کہ یہ تحفہ اسے کیوں دیا گیا ہے۔

صدام حسین کے جگری دوست اور نائب وزیر اعظم طٰہٰ یٰسین رمضان صدام سے متعلق اپنی کتاب ''صدام حسین الرفیق والاخ والقائد'' کے صفحہ ۵۳ پر صدام حسین کی ذہنیت، ذوق، نفسیات اور کردار و اخلاق کا تجزیہ کرتے ہوئے گواہی دیتے ہیں کہ ''بعث پارٹی'' کے جتنے بنیادی ارکان تھے اور انقلابی ہائی کمان میں جتنے وزراء تھے سب بچپن میں محرومیوں اور سختیوں سے گذرے تھے ہم اور صدام دونوں کو ابتدائی دور میں سنگین حالات سے گذرنا پڑا، رشتہ داروں نے ہمارے ساتھ تشدد سے کام لیا، جیل میں ڈالے گئے، وہاں بھی ہمارے ساتھ برا سلوک کیا گیا، اس لئے اگر ہم نے یا

صدام حسین اور ان کے رفقاء نے دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کا معاملہ کیا تو اس میں ہم معذور ہیں، صدام حسین نے جن رفقاء اور اپنے خاص دوستوں کو قتل کیا وہ اس کے مقاصد کی راہ میں رکاوٹ تھے، صدام ہمیشہ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے مقاصد کی تکمیل میں ہماری ماں، بیوی بیٹی اور بیٹے رکاوٹ بنیں گے تو ہم ان کو بھی بغیر کسی ادنیٰ تردد کے موت کے گھاٹ اتار دیں گے، طٰہٰ یٰسین آگے چل کر مزید لکھتے ہیں کہ عراقی وزیر تعلیم غانم عبدالجلیل سب لوگوں کے سامنے اپنے بوڑھے باپ کو جوتوں سے مارا کرتا تھا، اسی طرح محی الدین مشھد لی اپنے والد کو جو ستر سال کے تھے ڈرائیور کے طور پر استعمال کرتا تھا، اس سے دروازہ کھلواتا تھا یہ سب لوگ سفاک تھے اور انھوں نے درجنوں کو ٹھکانے لگایا تھا، صدام نے اپنی کابینہ کے تمام ساتھیوں کو ٹھکانے لگا دیا، حتیٰ کہ چند سال قبل اپنے ایک داماد کو بھی اپنے بیٹے قصی کے ذریعہ قتل کرا دیا۔

طٰہٰ یٰسین رمضان اپنی کتاب کے صفحہ ۴۷ پر لکھتے ہیں کہ صرف صدام حسین ہی سماجی اور خاندانی اعتبار سے نفسیاتی مریض نہ تھے بلکہ بعث پارٹی کے چھوٹے بڑے سارے ارکان وممبران نفسیاتی مریض تھے مثال کے طور پر خیر اللہ طلفاح ریٹائر ہونے کے بعد برطانوی فوج کے ایجنٹ بن گئے، اس کے جرم میں ان کو عراقی حکومت نے سزا بھی دی تھی، صدام کے چچا اور سوتیلے باپ سعدون تکریتی نے عراقی حکومت سے جب یہ شکایت کر دی کہ خیر اللہ طلفاح برطانوی سکرٹ سروس کے ملازم اور ایجنٹ ہیں تو عراقی حکومت نے وزرات تعلیم کے عہدے سے ان کو معزول کر دیا، اسی بات سے ناراض ہو کر صدام نے سب سے پہلے ۱۹۵۸ء میں اپنے سوتیلے باپ سعدون تکریتی کو اپنی رائفل سے قتل کر دیا یہ ان کا پہلا قتل تھا، دوسرا بڑا قتل صدام نے اس وقت کیا جب برطانوی سفارت خانہ کے ایک ایجنٹ نے صدام کو آزمانے کے لئے ان کو حکم دیا کہ بغداد کے ایک بڑے تاجر کو اس کے محل میں پورے خاندان کے ساتھ قتل کر دیں، اس برطانوی ایجنٹ نے اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھا ہے کہ صدام حسین سے ہم یہ توقع نہیں کرتے تھے کہ وہ ہماری اس آزمائش میں کامیاب ہوں گے لیکن جس طرح سے انھوں نے یہ کام انجام دیا وہ بڑا حیرت انگیز تھا، بڑے سے بڑے پیشہ ور قاتل بھی ایسا کام نہیں کر سکتے تھے..... صدام نے اپنے ساتھ کسی معاون کو بھی نہیں لیا، وہ تنہا ایک خنجر اور رائفل لے کر بارہ بجے رات کو اس تاجر کے گھر گئے جو بغداد کے وسط میں تھا، دروازہ پر صدام نے دستک دی، دروازہ کھلتے ہی سب سے پہلے دروازہ کھولنے والے کو صدام نے ذبح کیا، پھر وہ اندر گئے اور بغداد کے سب سے بڑے تاجر، اس کے بیٹوں، پوتوں، بیٹیوں اور بیویوں حتیٰ کی کم سن بچوں کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیے، تقریباً سولہ ارکان خاندان کو قتل کرنے کے بعد صدام حسین نے ان تمام لاشوں کو ایک جگہ جمع کیا اور کرسی پر بیٹھ کر اپنا پسندیدہ سگریٹ پینے لگا جب ہم محل کے اندر داخل ہوئے تو صدام کو سگریٹ پیتے ہوئے پایا، اس کی آنکھوں اور چہرے اور جسم کے کسی حصے حتیٰ کہ آواز سے بھی یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ صدام نے اتنے لوگوں کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا ہے، ہم نے یہ رپورٹ اسی وقت برطانوی سفیر کو دی جس نے برطانوی وزارت خارجہ اور خفیہ محکموں کو مطلع کر دیا بعد میں صدام کو ایجنٹ بنانے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

سکنڈری اسکول میں تعلیم کے دوران صدام نے بعث پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی، اس کے بعد ہی ۷ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو عبدالکریم قاسم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا، صدام کے سپرد یہ کام تھا کہ وہ شارع رشید پر موجود رہیں، جب عبدالکریم قاسم کی کار پر گولی چلائی جائے تو صدام قاتلوں کو فرار ہونے میں مدد دیں، لیکن عبدالکریم قاسم کی کار دیکھ کر صدام اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکے اور انھوں نے خود گولی چلا دی، جواب میں عبدالکریم کے محافظوں نے گولی چلائی جس سے صدام زخمی ہو گئے، لیکن وہ پولیس کی گرفتاری سے بچنے کے لئے گلیوں میں روپوش ہو گئے، آگے چل کر صدام نے ایک ٹیکسی والے کو اسلحہ کے زور پر روک لیا اور اس پر سوار ہو گئے، انھوں نے ٹیکسی ڈرائیور کو حکم دیا کہ وہ شمالی سرحد کی طرف جانے والے راستے پر چلے، لیکن ڈرائیور نے شہر سے باہر گاڑی لے جانے سے انکار کر دیا صدام نے ٹیکسی ڈرائیور کو بھی گولیوں سے بھون دیا، خود کار ڈرائیو کر کے ایک ویران جگہ گاڑی کھڑی کر دی اور بھیس بدل کر پھر بغداد واپس آ گئے، اس لئے کہ شہر کے چاروں طرف پولیس عبدالکریم قاسم کے قاتلوں کو تلاش کر رہی تھی، چند روز روپوشی کے بعد پھر صدام عراق سے نکل کر دمشق چلے گئے، جہاں بعث پارٹی کے سربراہ میشیل عفلق سے ان کی طویل ملاقاتیں ہوئیں، عفلق صدام کو لے کر بیروت کے برطانوی سفارت خانے گئے جہاں ان کی ملاقات عراقی ایجنٹ عبدالکریم شیخلی اور برطانوی خفیہ یونٹ کے افسروں سے ہوئی۔

بیروت اور دمشق میں کچھ وقت گذار کر صدام حسین جنوری ۱۹۶۰ء میں قاہرہ چلے گئے جہاں امریکی سفارت خانہ کی طرف سے ان کو ایک شاندار فلیٹ دیا گیا اور ان کا داخلہ لا کالج میں کر دیا گیا، لیکن ان کا زیادہ وقت سیر و تفریح اور برطانوی امریکی سفارت کاروں اور مصری خفیہ پولیس کے افسروں کے ساتھ طویل ملاقاتوں میں گذرتا، یا پھر بیروت و دمشق تک چکر لگایا کرتے، ۸ فروری ۱۹۶۳ء کو جب عبدالکریم قاسم کا تختہ الٹ دیا گیا تو صدام حسین بغداد آ گئے تا کہ اپنا حصہ حاصل کر سکیں انقلابیوں نے ان کو منہ نہیں لگایا، صرف بعث پارٹی کی رکنیت اور اس کی ایک یونٹ کا انچارج بنانے پر اکتفا کیا، عبدالکریم قاسم نے اپنے دور میں کیمونسٹوں کو بہت آگے بڑھایا تھا، جو بعث پارٹی کو ناپسند تھا، عبدالکریم قاسم کے بعد جب عبدالسلام عارف آئے تو انھوں نے ہزاروں کیمونسٹوں کو تہ تیغ کیا، جب بعثی اپنے بنیادی مقاصد میں کامیاب ہو گئے تو خود انھوں نے عبدالسلام عارف کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ بنایا، اسی مقصد سے میشیل عفلق نے بغداد آ کر مسلسل دو مشاورتی جلسے بعثی ارکان کے منعقد کئے، آخر میں انھوں

نے صدام حسین کو بعث پارٹی کا صدر بنادیا اور انھیں پورے اختیار دے دیئے، حالانکہ ان دنوں صدام حسین جیل میں تھے اور پھانسی کے منتظر تھے صدام نے دو پولیس اور ایک ٹیکسی ڈرائیور کو قتل کردیا تھا، اس کے جرم میں ان کو پھانسی کی سزا سنائی گئی تھی، بیروت کے برطانوی سفارت خانہ میں کام کرنے والے عبدالکریم الشیخلی صدام کے دوست بن چکے تھے، میشیل عفلق کے مشورے اور عبدالکریم کے تعاون سے جیل سے صدام کو راتوں رات نکال کر انھیں ذمہ دار بنایا گیا کہ وہ جلد سے جلد عبدالرحمن عارف سے چھٹکارا حاصل کریں جو اپنے بھائی عبدالسلام عارف کی جگہ صدر بنائے گئے تھے، صدام حسین اس نئی ذمہ داری کو جرأتمندانہ اقدام سے تعبیر کرتے ہوئے اپنی کتاب ''العراق منذ نشوہ.....'' کے صفحہ ۶۰۱ پر لکھتے ہیں: ہم نے ۱۷/جولائی ۱۹۶۸ء کو صبح تین بجے انقلاب لانے کا پروگرام بنایا تھا وہ لمحہ بڑا یادگار تھا جب بعث پارٹی کے چوٹی کے ارکان کے استفسار پر میں نے اپنے آپ کو اس انقلاب کے لئے پیش کیا اور کہا کہ پوری کابینہ کو ٹھکانے لگانے اور عراق کو پاک صاف کرنے کی ذمہ داری میری ہے، اور میں اس فرض کی ادائیگی کو اپنے لئے بڑا اعزاز تصور کروں گا۔

صدام کے دعوے کی تصدیق ان کے قریبی رفیق.....طہٰ یٰسین رمضان اپنی کتاب میں کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر صدام نے یہ جرأتمندانہ اقدام نہ کیا ہوتا تو آج عراق کامیابی اور شاندار فتوحات کی بلندیوں پر فائز نہ ہوتا یہ ایسا اعزاز ہے جس پر تمام قوم کو فخر ہونا چاہئے۔

عراقی بعث پارٹی نے اپنی نویں کانفرنس کے اختتام پر جو رپورٹ جاری کی تھی اس میں بعث پارٹی کے سکریٹری نے ۳۰/جولائی ۱۹۶۸ء کو تاریخی دن قرار دیا اور جب صدام حسین نے تاریخی کارنامہ انجام دیا، وہی اس کارنامے کے اصل دماغ اور مدبر و مفکر تھے، انھوں نے ہی نقشہ بنایا اور تنہا اتنے بڑے کارنامے کو انجام تک پہونچایا، چنانچہ ۱۷/۷/۱۹۶۸ء کو عراقی وزیر دفاع داؤد کو، پھر وزیر داخلہ عبدالرزاق نائف کو صدام نے الگ قتل کردیا، اس کے بعد احمد حسن البکر صدر اور ان کے نائب صدر صدام حسین ہوئے، لیکن صدارت کے امیدوار تھے وہ خود سربراہ مملکت بننا چاہتے تھے، اس لئے انھوں نے احمد حسن البکر کے قریبی معاونین اور معتمد علیہ ساتھیوں پر ہاتھ صاف کرنا چاہا لیکن ہر بار احمد حسن البکر صدام کی اس فہرست کو مسترد کردیتے تھے جو وہ پھانسی پر چڑھانے والوں کے لئے لایا کرتے تھے، اس میں ناکام ہونے کے بعد صدام نے ایک حادثہ میں حسن البکر کی بیوی، سالی، اور بیٹے کو مروادیا، اور بھی کئی رفقاء اور خاندان کے قریبی اعزہ کو ٹریفک حادثہ میں مروادیا، اس صورت حال سے احمد حسن البکر گھبرا گئے اور انھوں نے صدارت سے دستبردار ہونے کا ارادہ کرلیا، کابینہ کی نشست میں اپنے بعض رفقاء غانم عبدالجلیل، عدنان حمدانی اور عبدالخالق کے مشورے سے خفیہ طور پر یہ طے کیا کہ عراق و شام کا انضمام کرکے حافظ الاسد کو دونوں ملکوں کا سربراہ بنادیا جائے، اس سازش کی بھنک صدام حسین کو مل گئی جنھوں نے پوری کابینہ کو ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کرلیا۔

صدام کے قریبی رفیق عبد الحمید زمزی

صدارت کے منصب تک صدام کے پہونچنے کی داستان بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ احمد حسن البکر کے نائب کی حیثیت سے صدام نے صدارت کا منصب ۱۶/ جولائی ۱۹۶۹ء کو سنبھالا، اسی تاریخ سے عراق میں خوں ریزی کا نیا باب لکھا جانے لگا جو اپنی سفاکیت اور خوں ریزی میں چنگیز سے بھی آگے بڑھ گیا۔

۸/اگست ۱۹۶۹ء کو صدام نے کابینہ میں شامل تمام وزراء اور بعث پارٹی کی ہائی کمان کو جن کی تعداد ۶۲ تھی ایک ہنگامی اجلاس میں شرکت کی دعوت دی ساتھ میں یہ بھی ہدایت جاری کی کہ ہر وزیر اور پارٹی ممبر اپنے ساتھ ذاتی اسلحہ بھی لائے، صدام کے قریبی رشتہ دار برزان تکریتی نے اپنی کتاب ''محاولات اغتیالی الرئیس صدام حسین'' (ص ۱۳۹-۱۶۰) میں لکھتے ہیں کہ عراق کی تاریخ کا سب سے سیاہ باب وہ دن تھا جب ایک ساتھ ۶۲ ارکان حکومت کو خود صدام نے گولیوں سے بھون دیا، راوی کا بیان ہے کہ جب تمام وزراء اور بعث پارٹی کے چوٹی کے قائدین صدارتی محل میں جمع ہوگئے تو ایک ایک کو صدارتی محل کے سبزہ زار پر لاکر ایک صف میں کھڑا کردیا گیا، ان کی آنکھوں پر پٹی اور دونوں ہاتھوں کو پیچھے باندھ کر باہر سبزہ زار پر کھڑا کرکے صدام نے خود ایک ایک کو گولی ماری، ان مقتولین میں وزیر تعلیم غانم عبدالجلیل، وزیر تربیت محمد محجوب، محمد عایش وزیر صنعت، ڈاکٹر عزت مصطفیٰ وزیر صحت، بعث پارٹی کی فوجی یونٹ کے صدر محمد فاضل، وزارت داخلہ میں سکوریٹی آفیسر ناظم کزار جیسی شخصیتیں شامل تھیں، ان میں پانچ وزراء صدام کے مخلص اور قریب ترین دوست اور ساتھی تھے، ۸/اگست سے مہینے کے آخر تک مزید اکیس وزراء اور ارکان پارٹی گولیوں سے اڑائے گئے، عراقی T.V. پر تفصیل کے ساتھ ان مقتول وزراء کی غداری اور قومی خیانت کے واقعات اور حکومت کے خلاف سازش کی خبریں بیان کی جاتی تھیں، صدام حسین کو اس سازش پر رنجیدہ اور غمزدہ دکھایا جاتا تھا..... اس واقعہ نے نہ صرف پورے عراق کو ہلایا بلکہ پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا..... صدام کے اقتدار میں آتے ہی یہ حکم جاری کردیا گیا کہ جو شخص بھی بعث پارٹی کے ساتھ نہیں وہ عراق کا غدار ہے، حکومت اس کے سربراہ، وزراء، پارٹی اور اس سے تمام اشخاص پر کوئی تنقید غداری کے مترادف ہے جس کی سزا موت ہے۔ (باقی آئندہ)

بصائر وعبر

جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے

ریل کے خطرناک حادثہ میں دعا کی برکت سے بچنے والے مسافر کی کہانی

محمد الیاس ندوی بھٹکلی

موت کے منہ میں جاکر واپس آنے کا محاورہ سنا تو تھا لیکن دیکھا نہیں تھا، ۲۲ جولائی ۲۰۰۳ء کو کوکن ریلوے کے ایک خطرناک حادثہ میں نہ صرف اپنے ساتھیوں کو موت کے منہ سے واپس آتے دیکھا بلکہ میں خود بھی واپس آیا، اللہ جسے بچانا چاہے اور اس کی زندگی کا آب ودانہ باقی رکھے تو اسے وہ فضا کی بے پناہ بلندیوں سے گرا کر بھی محفوظ رکھتا ہے جیسے گذشتہ ماہ روس کی فوج کا اک جرنل بائیس ہزار فٹ کی بلندی سے جہاز کے ایک حادثہ کے بعد گر کر بچ گیا، ۷/جولائی ۲۰۰۳ء کو سوڈان ایرویز کا ایک ہوئی جہاز ہزاروں فٹ اوپر فضا کی بلندیوں سے پھٹ کر گرا اور اس میں موجود تمام ایک سو چودہ مسافر ہلاک ہوئے صرف ایک دو سالہ بچہ عبداللہ بچ گیا، اسی طرح کسی کی مدت حیات ختم ہوجائے تو فٹ دو فٹ کے فاصلہ سے گر کر اور زخمی نہ ہوکر بھی اس کی موت واقع ہوجاتی ہے، دارالمصنفین اعظم گڑھ کے سابق ناظم صباح الدین عبدالرحمن صاحب ندوۃ العلماء میں میرے زمانہ طالب علمی کے دوران لکھنؤ میں سائیکل رکشہ سے اس وقت گرے جب ایک گائے سامنے آگئی اور رکشہ والے نے بریک لگایا وہ دو ڈھائی فٹ اوپر سے گرے، نہ زخم نہ خراش لیکن اسی وقت جاں بحق ہوئے، ۲۲ جولائی ۲۰۰۳ء کو ہندوستان میں مغربی ساحل پر سات آٹھ سال قبل شروع ہوئے کوکن ریلوے کے اب تک کہ سب سے بڑے ریلوے حادثہ سے خود ہم لوگ دوچار ہوئے لیکن اللہ نے حیرت انگیز طریقہ پر اپنی قدرت ونعمت کا اس طرح مظاہرہ کیا کہ ہم سے متصل ڈبے والے درجنوں لوگوں نے اسی وقت زخموں کی تاب نہ لاکر داعی اجل کو لبیک کہا اور ہم فضل خداوندی سے محفوظ و مامون رہے، جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں ششماہی کی چھٹیوں میں مہاراشٹر اور گجرات کے مدارس کے دورہ پر دس اساتذہ پر مشتمل ایک وفد مہتمم جامعہ مولانا عبدالباری صاحب ندوی کی قیادت میں روانہ ہوا، اتوار کا دن تھا، ہم لوگ دوپہر کو رتنا گیری جانے کے لئے کاروار اسٹیشن پہونچے، چونکہ ہمارا ریزرویشن نہیں تھا اور سفر بھی دن میں اور وہ بھی صرف پانچ چھ گھنٹے کا تھا اس لئے ہم لوگ کاروار ممبئی ہالی ڈے اسپیشل ٹرین کی جنرل بوگی میں جو پوری خالی تھی آرام سے بیٹھ گئے اور الگ الگ سیٹوں پر لیٹنے کے لئے اپنا سامان رکھا، چونکہ ٹرین کی روانگی میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی تھی، اس لئے ہمارے کچھ ساتھی چائے لانے کے لئے ٹرین سے اترے اور کینٹین کا رخ کیا جہاں ایک ٹی ٹی کی نگاہ ہم پر پڑی، اس نے ہم سے پوچھا: آپ لوگ کہاں جارہے ہیں اور کہاں بیٹھے ہیں، تفصیل سن کر بڑی لجاجت کے ساتھ اس نے کہا: آپ لوگ پیچھے میری ریزرویشن والی بوگی پر آجائیے، ہم نے اس کی بات سنی ان سنی کردی لیکن دوبارہ جب جب بھی اس کے سامنے سے ہم گزرے وہ بار بار یہی کہتا رہا کہ آپ لوگ پیچھے میری خالی بوگی میں کیوں نہیں آتے، جب اس کا اصرار بڑھا تو ہم لوگوں نے واپس اپنے کوچ میں جاکر مشورہ کیا، اکثر ساتھیوں کی رائے تھی کہ یہاں سے منتقل ہونے کی چنداں ضرورت نہیں اس لئے کہ بوگی خالی ہے، آرام سے لیٹ کر وقت کٹ جائے گا، بعض ساتھیوں کے اصرار پر یہ فیصلہ ہوا کہ ہم لوگ واپس اس ٹی ٹی کی بوگی میں چلے جائیں، خواہی خواہی ہم لوگ اس ٹی ٹی کے کوچ میں آگئے، گاڑی چلی، ہم لوگوں نے سفر کی دعا پڑھی، مغرب کا وقت ہوگیا، نماز کے متعلق اکثر ساتھیوں کا خیال تھا کہ رتنا گری پہونچ کر جمع تاخیر کرلیں گے لیکن بعض دوستوں نے اول وقت میں ہی جمع تقدیم کرلی، جو ساتھی نماز پڑھنے سے رہ گئے تھے ان کو ایک ساتھی نے یہ کہہ کر کہ زندگی کا کیا بھروسہ ابھی نماز سے فارغ ہوجائیں جمع تقدیم ان سے بھی کروالی، ہم لوگ نماز سے فارغ ہوئے سب دوستوں نے اپنی اپنی سیٹ پر اپنے معمولات اور اوراد و وظائف مکمل کرلئے، دوبارہ مجلس جمی، یہاں تک کہ شب کے نو بجنے لگے، ٹرین سے باہر آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے، سخت اندھیرا تھا، موسلا دھار بارش ہورہی تھی اور ٹرین اپنی پوری رفتار کے ساتھ فی گھنٹہ ۶۰ کلومیٹر کے حساب سے وائی بھاؤڈاڑی اور راجہ پور اسٹیشن کے درمیان اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی، اسی دوران کیا دیکھتے ہیں کہ اچانک ہماری بوگی لڑکھڑانے لگی، دس پندرہ سکینڈ تک یہ سلسلہ جاری رہا، سیٹ پر آمنے سامنے بیٹھے ساتھی ایک دوسرے پر گر گئے اور ایسا محسوس ہوا کہ کسی کھائی میں آہستہ آہستہ ہماری ٹرین گر رہی ہے، سب کی زبان سے بے ساختہ بڑی آواز سے کلمہ کی آوازیں بلند ہونے لگی، اور یا اللہ یا اللہ کا ایک شور ہر طرف سنائی دینے لگا، کچھ وقفہ کے بعد گارڈ نے بریک لگایا اور ٹرین رک گئی، کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا ہوا اور کیسے ہوا، کچھ ساتھی دوڑے دوڑے باہر دروازہ کی طرف بھاگے اور نیچے اترنے کی کوشش کرنے لگے، لیکن پٹریوں پر کمر تک پانی تھا اور گھپ اندھیرا، اس پر بارش کا نہ رکنے والا سلسلہ، مسافروں میں سے کسی نے آواز لگائی کہ کچھ نہیں ہوا ہے، کسی نے زنجیر کھینچ دی ہے۔ اس لئے ایمرجنسی بریک لگے ہیں جس سے جھٹکے محسوس ہوئے ہیں اور ٹرین رکی ہے تھوڑی دیر ہی میں ٹرین چلنے لگے گی، آپ سب اپنی نشستوں پر دوبارہ بیٹھ جائیں، دس پندرہ منٹ تک ہم لوگ بھی یہی سوچتے رہے اور اپنے ساتھیوں کو بھی نیچے اترنے سے سختی کے ساتھ منع کرتے رہے، کچھ دیر کے بعد ہمت کرکے بائیں طرف سے

دروازہ کھول کر کے دیکھا تو عجیب نظارہ تھا، سامنے پہاڑ تھا جس پر ٹرین چڑھ گئی تھی، ہم سے متصل اگلا اے سی ڈبہ خود دوسرے ڈبہ پر چڑھ گیا تھا، ایک دوسرے کو آوازیں دی جانے لگی، دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے اکثر ساتھی اور ٹرین کے دوسرے مسافر نیچے اترے، جب کمر تک پانی پار کر کے آگے بڑھنے لگے تو انہیں پانی میں لاشیں ملیں، سب سے پہلے آٹھ نو ماہ کے معصوم بچہ کی ایک لاش ملی، اس کے بعد ایک عورت کی، آگے بڑھتے ہوئے یہ سلسلہ بڑھتا ہی گیا، بارہ تیرہ لاشیں خود ہمارے ساتھیوں نے ہمارے ڈبہ میں پہونچائی، بڑا عجیب قیامت کا منظر تھا، سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ جنرل بوگی جس میں ہم لوگ کچھ گھنٹوں پہلے سوار تھے اور ٹی ٹی نے ہمیں جہاں سے بڑی منت سماجت سے اٹھوا کر اپنے کوچ میں بٹھایا تھا وہ پوری طرح کٹ کر ایک دوسرے میں اس طرح گھل مل گئی تھی کہ ناقابل شناخت ہوگئی تھی، بکھری لاشیں تھیں، مدد مدد کی چیخ وپکار تھی، کسی کا ہاتھ کٹ گیا تھا اور کسی کا پیر، کسی کا سر ایک طرف تھا اور دھڑ دوسری طرف، ہمت کر کے ہمارے ساتھی گھپ اندھیرے کے باوجود زخمیوں کو بڑی احتیاط سے نکالنے لگے، اور لاشوں کو چادروں میں لپیٹ لپیٹ کر اوپر پہونچانے لگے، مسلسل گھنٹہ بھر کام کرنے سے سب کی ہمتیں جواب دینے لگیں، اسی دوران پیچھے سے ریلوے کمک پہونچ گئی، اور ہم لوگوں کو مع لاشوں اور زخمیوں کے ان ڈبوں میں جو صحیح سلامت بچ گئے تھے سوار کر کے واپس کنکولی اسٹیشن لے گئی، جہاں پہلے سے اطلاع ملنے کی وجہ سے ایمبولینس اور پولس فورس وغیرہ موجود تھی، دوسرے دن اخبارات سے سرکاری اطلاع کے مطابق ہمیں معلوم ہوا کہ جملہ باون لوگ جاں بحق ہوئے اور سو کے قریب زخمی، اور حادثہ کی وجہ یہ تھی کہ ہماری ٹرین جب پٹری پر پچھتر کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی تھی تو رتنا گری سے ایک سو کلومیٹر دور ڈرائیور نے دور سے ایک چٹان کو پٹری پر گرا ہوا پایا، جو قریب کے پہاڑ سے موسلا دھار بارش کی وجہ سے تھوڑی دیر پہلے پٹری پر گر گئی تھی حالانکہ پندرہ منٹ پہلے اسی پٹری پر دوسری ٹرین گزر چکی تھی، اچانک ڈرائیور نے جب پٹری پر چٹان کو گرا دیکھا تو اس نے ٹرین کو روکنے کی کوشش میں بریک لگائے جس سے سب سے پہلے انجن پٹری سے اترا اور گرا اور اس سے متصل ہم سے اگلی چاروں بوگیاں ایک دوسرے پر چڑھ گئیں اور یہ خطرناک حادثہ پیش آیا، جس حیرت انگیز طریقہ پر اللہ نے ایک ٹی ٹی کو ذریعہ بنا کر اس ٹکڑے ہونے والی بوگی سے ہمیں اٹھا کر اپنا فضل فرمایا اس کو دیکھ کر ہم سب کی زبانوں سے بے ساختہ یہ نکلا کہ یہ سفر کی اسی دعا کی برکت تھی جس کے پڑھنے پر حدیث شریف میں یہ پیشن گوئی کی گئی ہے کہ اس کا پڑھنے والا پورے سفر میں اللہ کی حفاظت میں رہتا ہے اور اسی کی نگہبانی میں، اللہ ہی اس کے لئے کافی ہوتا ہے اور ہر شر سے اس کو وہ محفوظ بھی رکھتا ہے، اس کا اعلان فرشتوں کے ذریعہ بھی ہوتا ہے اور انسان اپنی آنکھوں سے بھی اس کے اثرات دیکھتا ہے، وہ دعا ہے "بسم اللہ توکلت علی اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ" کہ میں نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا، تمام طاقتوں و قوتوں کا مالک اور سرچشمہ وہی تنہا ہے، اسی سفر کی دعا "سبحان الذی سخرلنا ھذا وماکنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون" سے سینکڑوں نہیں ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگوں کو اللہ جس طرح محفوظ رکھتا ہے اسی کے مظاہر ہر جگہ روز روز نظر آتے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان روزمرہ کی ان مسنون دعاؤں کی سفر حضر، اٹھتے بیٹھتے اہتمام سے پابندی کرے جس کے اثرات خود اس دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ دکھا دیتے ہیں اور اس کے پڑھنے پر جو آخرت میں ملنے والا ہے اس کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

❁❁❁

آنسو

بہتے ہوئے دیکھے ہیں جو لاچار کے آنسو
شاید کبھی گر جائیں گے زردار کے آنسو

دنیا کی عدالت میں اب انصاف کہاں ہے
گرتے ہوئے دیکھے گئے حقدار کے آنسو

یہ ایک حقیقت ہے کہ مانو یا نہ مانو
"دغم اور بڑھا دیتے ہیں غمخوار کے آنسو"

کیا اشک بہا سکتے ہیں یہ ظالم و جابر
مشکل سے گرے ہیں یہاں زردار کے آنسو

کچھ کام بنا لیتے ہیں دربارِ خدا میں
جس وقت ٹپکتے ہیں سیہ کار کے آنسو

آنسو جو مگرمچھ کے ہیں لاتے نہیں وہ رنگ
اک کاوشِ مہمل ہے ریاکار کے آنسو

یہ عزم تھا میرا کہ نہ روؤنگا کبھی میں
گر ہی گئے آخر میں تھک ہار کے آنسو

جب ظلم ہوا مجھ پہ تو خاموش تھی دنیا
اس وقت نہ رک پائے مرے یار کے آنسو

یہ آبِ رواں آپ کس کام کا سالک
کیوں آپ بہاتے ہیں یہ بیکار کے آنسو

سید احمد سالک

اصلاح معاشرہ

ولادت کے بعد اذان واقامت

(مولانا) محمد خالد ندوی غازیپوری

بچہ کی ولادت کے وقت شیطان درپے آزار ہوتا ہے، حدیث میں آیا ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مامن بنی آدم مولود إلا یمسہ الشیطان حین یولد فیستھل صارخاً من الشیطان

(مشکوۃ المصابیح/حدیث ۶۹)

"حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدم کی اولاد میں جنم لینے والا کوئی ایسا نہیں جسے شیطان اس کی پیدائش کے موقع پر تنگ نہ کرے، چنانچہ وہ شیطان کے چھونے سے چیخ کر رونے لگتا ہے۔"

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولادت کے وقت بچے کے رونے کا سبب کیا ہے، گویا اس حدیث کی حیثیت ایک خبر کی ہے، طبی اعتبار سے اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بچہ ولادت کے بعد جب سانس لینا چاہتا ہے تو اس کی وجہ سے پھیپھڑے کھلتے ہیں، اگر پھیپھڑے نہ کھلیں تو بچے کی سانس رک جائے۔ لہٰذا فطری طور پر ہر بچہ چیخ کر روتا ہے، اور اس کے رونے کی وجہ سے پھیپھڑے کا عمل شروع ہوجاتا ہے، ڈاکٹروں کے اس نظریہ اور حدیث کے مفہوم میں کوئی تضاد نہیں ہے، انسان کے لئے جو چیز طبی لحاظ سے ضروری ہے اس کے مہیا کرنے کے مرئی یا غیر مرئی اسباب کچھ بھی ہوسکتے ہیں۔

اصل میں حدیث سے جس بات کا ابلاغ مقصود ہے، وہ شیطان کا عمل دخل ہے، اور یہ کہ اس دنیا میں آتے ہی اس کی دشمنی کا آغاز ہوجاتا ہے، اس حدیث سے شیطان کی دشمنی کی شدت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ایک بچہ جس نے ابھی اس دنیا میں آنکھیں کھولی ہیں، جسے ابھی خیر وشر سے کوئی واسطہ نہیں، نہ وہ کسی عمل کا مکلف ہے، شیطان اسے بھی نظر انداز نہیں کرتا، بلکہ اپنی دشمنی کا اظہار جسمانی تکلیف پہونچا کر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے شیطان کی دشمنی اور اس کے گمراہ کرنے کا عزم قرآن پاک میں کھول کر بیان کیا ہے، اور بنی نوع انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدواً

(قرآن کریم)

"بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے، تو تم اسے دشمن ہی سمجھو۔"

اس قسم کی اور بھی روایتیں ہیں، جن سے شیطانی اثرات کا پتہ چلتا ہے، اور یہ کہ وہ آغاز ولادت ہی سے بچے کے احساسات، رجحانات، نظریات اور شعور و وجدان جیسی صلاحیتوں پر تسلط جمانا چاہتا ہے، اس نزغہ شیطانی سے بچاؤ کی واحد شکل یہ ہے کہ بچے کو اللہ کی پناہ میں دے دیا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

واما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ انہ ھو السمیع العلیم

(اعراف)

"شیطان اگر تمہیں کچوکے لگا کر (خدا کی معصیت پر) ابھارنا چاہے تو اللہ کی پناہ مانگو بیشک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔"

لہٰذا بچے کی ولادت کے بعد والدین کی ذمہ داری ہے کہ بچہ کو شیطانی اثرات سے حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ کی بڑائی و کبریائی کے نغمات اس کے کانوں میں ڈال دیں، تاکہ دل ودماغ کے پردۂ سیمیں پر اللہ عزوجل کی بڑائی کا نقش ثبت ہوجائے، اور خدائی رنگ میں اس بچے کے قوائے مدرکہ رنگ جائیں، تاکہ آنے والی زندگی میں کوئی دوسرا رنگ نہ چڑھ سکے، حدیث شریف میں ولادت کے بعد اذان واقامت کی تاکید شاید اسی لئے کی گئی ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت حسنؓ کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنے کا تذکرہ ملتا ہے، اور یہ بھی کہ:

من ولد لہ ولد فاذن فی اذنہ الیمنیٰ واقام فی اذنہ الیسری لم تضرہ ام الصبیان

(البیہقی ۶/۳۹۰)

"جس کے یہاں بچے کی ولادت ہو تو وہ داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہہ دے تو بچوں کا روگ اسے لاحق نہ ہوگا۔"

لہٰذا ہم مسلمانوں کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے، آج کل نرسنگ ہوموں میں زچگی ہوتی ہے اور وہاں کوئی اہتمام نہیں ہوتا بلکہ منفی اثرات کا امکان رہتا ہے، اور یہ پہلا اثر بچے کی پوری زندگی پر کینسر کی طرح مسلط ہوجاتا ہے۔ آج مسلم معاشرہ کی خرابی اور نوجوانوں کی بے راہ روی میں اس کا بھی اثر ہے، اس سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان کی اہم ذمہ داری ہے۔ ❁❁❁

The Fragrance of East

ندوۃ العلماء سے شائع ہونے والا سہ ماہی انگریزی مجلہ "دی فریگرنس آف ایسٹ" کا تازہ شمارہ (جولائی-اگست ۲۰۰۳ء) شائع ہوگیا ہے۔ حضرت مولانا علی میاںؒ پر مضمون کے علاوہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی و دیگر مشاہیر ادباء کے مضامین اس کی زینت ہیں۔ جناب شارق علوی کی ادارت میں پابندی سے شائع ہونے والے رسالے کا سالانہ زر تعاون صرف =/100 ہے جو بذریعہ منی آرڈر یا بنک ڈرافٹ

"The Fragrance of East
Nadwatul Ulama, Tagore Marge, Lucknow-226007"

کو بھیجا جاسکتا ہے۔ برائے خریداری تجدید کراتے وقت اپنا نمبر خریدار ضرور لکھیں۔

اطہر حسین سکریٹری
شعبہ صحافت ونشریات

کتابوں کی دنیا

حسیب رہبر پرتاب گڈھی کا شعری مجموعہ

''تنہا شجر'' ——— ایک تأثر

جناب صادق حسین پُرخاصوی
(سابق پرنسپل، شیروانی کالج الہ آباد)

عرصہ دراز سے حسیب رہبر پرتاب گڈھی کا شعری سفر جاری ہے، دینی و ادبی رسائل میں ان کے اشعار شائع ہوتے رہے، آل انڈیا ریڈیو کے اردو پروگراموں میں ان کی غزلیں نشر ہوتی ہیں، شعری مجموعہ ''تنہا شجر'' کے مطالعہ سے اس کی توثیق ہوگئی کہ حسیب رہبر کی غزلیں جذب و شوق اور سوز و مستی سے پُر پور ہیں۔

شاعر موصوف مولانا شاہ محمد احمد پرتاب گڈھی کے خویش ہیں، مولانا کو بذات خود عارفانہ کلام و اشعار کہنے پر کامل عبور حاصل تھا، حسیب رہبر کی فن و شاعری آپ کی نیاز مندانہ دعاؤں، فیوض و برکات کے سایہ میں پروان چڑھی، انھوں نے حضرت کی مدح میں بعنوان ''نذرانۂ عقیدت'' چند اشعار کہے ہیں، جن میں سے دو اشعار حضرت کو بہت پسند تھے۔

کردار کی عظمت سے گنتار کے جادو سے
دشمن کو بھی وہ اپنا گرویدہ بنائے ہیں
جو دل پہ گذرتی ہے دنیا اسے کیا جانے
غم اپنا تبسم کے پردے میں چھپائے ہیں

دوسرے شعر کے متعلق ارشاد فرماتے تھے کہ شعر گویان کی پوری زندگی کی تصویر ہے، اس لئے اکثر وہ خود بھی پڑھتے تھے اور حسیب رہبر سے اپنی مجالس میں پڑھوا کر سنتے تھے اور متاثر ہو کر داد دیتے تھے۔

حسیب رہبر کے اشعار ''تنہا شجر'' کے حسب ذیل اشعار میں بھی شاعر نے حضرت والا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے اپنی عقیدت مندی کا اظہار کیا ہے۔

مسافروں کو بھلا کس طرح پناہ ملے
یہاں کا ایک شجر بھی تو سایہ دار نہیں
کچھ دیر بیٹھ کر میں تھکن دور کرسکوں
اب اتنا سایہ دار کوئی بھی شجر نہیں
جس کی شاخوں پہ پرندوں نے بسائیں بستیاں
بس اسی تنہا شجر کو میں شجر لکھ جاؤں گا
یہ حال شیخ کی رحلت سے ہوگیا رہبر
نسیم صبح بھی گلشن میں خوشگوار نہیں

شاعر موصوف ممدوح کو مجروح سلطان پوری، رئیس المعتزلین جگر مراد آبادی جیسے موقر شعراء کرام نیز مولانا بابا نجم حسن نگرامی جیسے صاحب نسبت بزرگ، ادیب و شاعر اور دیگر جلیل القدر دنشوران علم و ادب کی صحبت اور فیض کا شرف حاصل ہے، حسیب رہبر ایک جہان دیدہ اور بصیرت افروز نیز متنوع صلاحیتوں سے معمور انسان ہیں۔

یہ بھی خدا کی شان ہے جو خوش نصیب ہوں
اک درد مند شاعر مخلص ادیب ہوں
اس دور انتشار میں رہبر یہ کم نہیں
میں ارتقائے شعر و ادب کا نقیب ہوں

حسیب رہبر کے تخیلات کا محور و مرکز ان کے مادر وطن قصبہ چھتر پور کی شاہراہ پر واقع سدا بہار برگد کا تنہا شجر ہے جو ان کے اجڑے ہوئے دیار کی یادگار ہے، اور عہد ماضی کا رازدار ہے بعینہ صحرائے شعر و سخن کی تپتی ہوئی دھوپ میں ان کا تنہا شجر سرسبز و شاداب ہو کر مسافران شعر و ادب کے لئے عہد ماضی کی بہار کا سراپا داستان و رازدار ہے۔

بھلا سکے نہ زمانہ وہ یادگار ہوں میں
بہار عہد گذشتہ کا راز دار ہوں میں

حسیب رہبر کے مجموعہ اشعار موسوم ''تنہا شجر'' میں ایسے اشعار ہیں جو موجودہ دور کے معاشرہ کی زبوں حالی انسانی اخلاق و کردار کی پس ماندگی، اقرباء کی بیگانگی، معاملات زندگی میں مفاد پرستی و عصبیت کی فراوانی و ناحق شناسی کی عکاسی کر رہے ہیں۔

بے فیض ہوگیا ہے کچھ اس طرح آدمی
جیسے کسی درخت میں برگ و ثمر نہیں
یوں رشتۂ خلوص کا موسم بدل گیا
جیسے کہ اب کسی کو کسی کی خبر نہیں
ہمارے دور کا ایسا بدل گیا ہے مزاج
کہ رسم و راہ وفا مبتلائے عذاب میں ہے

مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ ہوں جو شاعر کی خودداری اور حوصلہ مندی کے غماز ہیں۔

سفر کی تیرگی اس طرح میں خود ہی مٹاتا ہوں
کہ جگنو کی طرح تاریکیوں میں جگمگاتا ہوں
گرم صحرا میں سفر کرنا ہے میرا مشغلہ
دیکھتے ہیں پھر بھی کوئی آبلہ پائی نہ تھی
میں پیغام محبت ہر جگہ جا کر سناتا ہوں
نقوش آدمیت ہر قدم پر چھوڑ جاتا ہوں
سامنے لاکھ کوئی روپ بدل کر آئے
میں کھرا کھوٹا پرکھنے کا ہنر رکھتا ہوں
جو بات حقیقت ہو بے خوف و خطر کہئے
میں اس کا نہیں قائل شبنم کو گہر کہئے
راہ دشوار میں پتھر کا جگر رکھتا ہوں
بھلا سکے نہ زمانہ وہ یادگار ہوں میں
بہار عہد گذشتہ کا راز دار ہوں میں

حسیب رہبر کی مرصع و مسجع غزلوں کے اس مجموعہ کے صفحات میں ایسے متعدد اشعار بکھرے ہوئے ہیں جو ان کی حق گوئی، صداقت، خودداری، بیباکی اور دلوں کے کرب کی عکاسی کر رہے ہیں۔

فقہ و فتاویٰ

فقہی سوال و جواب

(مولانا) مفتی محمد طارق ندوی

سوال: ہم طالبات ایک مدرسہ میں ہیں ہمارے لئے قرآن مجید کا ایک جزء حفظ کرنا ضروری ہوتا ہے، پھر کبھی کبھی امتحانات کا وقت آجاتا ہے اور وہی وقت ماہواری کا ہوتا ہے تو کیا ہمارے لئے امتحانی پرچہ پر سورہ لکھنا اور اسے زبانی پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: امتحانی پرچہ پر حالت حیض میں سورہ لکھنا اور اسے زبانی پڑھنا درست نہیں ہے، کیونکہ ارشاد باری ہے: ''لایمسہ إلا المطھرون'' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کان النبی علیہ السلام لا یمنعہٗ من قرأۃ القرآن شئی إلا الجنابۃ'' البتہ ترجمہ لکھ کر کام چلا سکتی ہیں۔

سوال: اگر نمازی کو نماز باجماعت آخری تشہد میں ملے تو کیا اسے نماز باجماعت کا اجر ملے گا یا نہیں؟

جواب: ہاں اس کو جماعت کا ثواب ملے گا۔

سوال: سودی بینکوں کے حصے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: سودی بینکوں کے حصے خریدنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ گناہ اور سرکشی پر تعاون ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''تعاونوا علی البر والتقویٰ ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان'' نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ و سرکشی کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔

سوال: جھاڑ پھونک اسلام میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے، جس جھاڑ پھونک سے شرعاً منع کیا گیا ہے وہ، وہ ہے جس میں شرکت ہو یا غیر اللہ سے توسل ہو یا اس کے الفاظ مجہول ہوں نہ سمجھیں جاسکیں اور اس کے علاوہ ہو تو جائز ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''لا بأس بالرقی مالم یکن شرکٌ'' جس دم جھاڑ پھونک میں شرک نہ ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال: ایک مسلمان نماز وغیرہ تو پڑھتا ہے لیکن بعض منہیات کا مرتکب ہے تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے لہٰذا اسے چاہئے کہ سچی توبہ کرے، سچی توبہ یہ ہے کہ ارتکاب کردہ پر دلی ندامت آئندہ نہ کرنے کا عزم اور ایسے ماحول سے دوری جس میں یہ گناہ پایا گیا۔

سوال: مسجد کے در میں امام کھڑا ہوسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: امام کا مسجد کے در یا محراب میں اس طرح کھڑا ہونا کہ پاؤں اندر ہوں مکروہ ہے۔

سوال: نماز عشاء سے پہلے سونا کیسا ہے؟

جواب: نماز عشاء کے پہلے سونا مکروہ ہے، اس لئے کہ جماعت فوت ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

سوال: ٹوپی لگا کر نماز پڑھنا آداب میں شامل ہے یا بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنا مکروہ ہے؟ اس سلسلہ میں حکم شرعی کیا ہے؟

جواب: ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے البتہ اگر عاجزی کے اظہار کے لئے ہو تو جائز ہے، آجکل نوجوانوں کا ننگے سر نماز پڑھنا تشبہ کی بنا پر ہے عاجزی کا اظہار نہیں لہٰذا مکروہ ہے۔

سوال: اگر ایک ہی مقتدی ہو اور وہ مرد ہو یا نابالغ لڑکا ہو تو اس کو امام کی داہنی جانب امام کے برابر یا کچھ ہٹ کر کھڑا ہونا چاہئے۔ اگر بائیں جانب یا امام کے پیچھے کھڑا ہو تو مکروہ ہے۔

سوال: کیا نماز میں ادھر ادھر دیکھنا مکروہ ہے؟

جواب: ہاں مکروہ ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں'' سألنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الالتفات فی الصلوۃ قال ھو الاختلاس یختلسہ الشیطان من صلوۃ العبد'' کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا یہ اچکنا ہے جس کو شیطان بندے کی جانب سے اچک لیتا ہے۔

سوال: اگر کپڑے پر اتنی نجاست لگی ہو جس کے لگے ہونے کے باوجود نماز صحیح ہوجاتی ہے تو کیا ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

جواب: ہاں ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے جب کہ دوسرے پاک کپڑے ہوں۔

سوال: ایسے کپڑے جس میں ذی روح کی تصاویر بنی ہو پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: ایسے کپڑے جس میں ذی روح کی تصاویر بنی ہوں پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، ''ویکرہ ان یصلی بین یدیہ أو فوق رأسہ أو علی عینہ أو علی یدہ أو فی ثوبہ تصاویر'' (فتاویٰ عالمگیریہ صفحہ: ۱۴۹ جلد اول)۔

سوال: نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنا کیسا ہے؟

جواب: بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ نماز میں کمر پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں حالانکہ یہ فعل مکروہ ہے، حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

Resi 2268177
Mob 95415002532
2000667
31266122
Shop : 2213736
2500667

سونے اور چاندی کی دنیا میں ۷۵ سالہ دیرینہ نام

حاجی صفی اللہ جیولرس

ہمارا نیا شوروم

گڑبڑ جھالہ کے سامنے امین آباد لکھنؤ

پروپرائٹر : محمد اسلم

Haji Safiullah
Jewellers

Opp. Gadbad Jhala, Aminabad, Lucknow.-18

MOHD. IRFAN
PROPRIETOR

Shop: 260890
Resi: 269562

NEW KAREEM JEWELLERS

نیو کریم جیولرس

دوکان نمبر ابلد مارکیٹ ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ لکھنؤ

Ph: 2226657

FIT & Co.

Since:1916

Specialist in
Suits & Sherwani

Near:- Sardar Sons,
At: Nazirabad, Lucknow

ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے

ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گذارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
Tea Merchants
44, Haji Building, S.V. Patel Road,
Null Bazar, Mumbai 400 003
Tele: Add CUPKETTLE Tel.: 3460220, 3468708
Tel. (R) 3095852

۱۲ نمبر اور ۲xl۲ کی اسپیشل چائے استعمال کیجئے

مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے زیر اہتمام
شائع ہونے والے رسائل ومجلات ایک نظر میں

	رسائل	سن آغاز	زرتعاون: اندرون ملک	زرتعاون: بیرون ملک
۱	ماہنامہ البعث الاسلامی (عربی)	۱۹۵۵ء	۲۰۰ روپے	۴۰ ڈالر
۲	پندرہ روزہ الرائد (عربی)	۱۹۵۹ء	۷۵ روپے	۲۵ ڈالر
۳	پندرہ روزہ تعمیر حیات	۱۹۶۳ء	۱۵۰ روپے	۳۵ ڈالر
۴	انگریزی سہ ماہی Fragrance	۱۹۹۸ء	۱۰۰ روپے	۲۵ ڈالر
۵	ہندی ماہنامہ سچار ہی	۲۰۰۱ء	۱۰۰ روپے	۲۵ ڈالر

ان رسائل ومجلات کے ساتھ آپ کا تعاون فکر کی تعمیر اور شعور کی تربیت کے مشن میں تعاون ہوگا۔

خط وکتابت کا پتہ : پوسٹ بکس ۹۳، ندوہ لکھنؤ

عالمی خبریں

سید معید اشرف ندوی

سعودی عرب کے نائب وزیر برائے اسلامی امور عبد
ن نے کہا ہے کہ ہم اپنے ملک میں دہشت گردی پر قابو
نے میں کامیاب ہو جائیں گے مملکت میں ہر شہری کو
ر وتقریر کی آزادی ہے ہماری مساجد میں یہود ونصاریٰ
ں کرنے کی تبلیغ نہیں دی جاتی نہ انتہا پسندی کا درس دیا
ہے، وہ بی بی سی کے پروگرام ہارڈ ٹاک میں گفتگو
رہے تھے، انہوں نے کہا کہ سعودی حکومت کا مذہب
م ہے سعودی مدرسوں اور مسجدوں میں تعینات افراد کو
وجہ سے گرفتار نہیں کیا گیا کہ وہ انتہا پسندی کی تعلیم دے
ے تھے بلکہ اس لئے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو بھرپور انداز
نہیں نبھا رہے تھے، انہوں نے کہا کہ سعودی پولیس
ین کو گاڑی چلانے سے نہیں روکتی اور اسلام میں
ین کے گاڑی چلانے پر کوئی پابندی نہیں، انہوں نے
ی تردید کی کہ سعودی عرب میں شیعوں سے کسی قسم کا
ازی سلوک کیا جارہا ہے اور کہا کہ انہیں مکہ اور مدنیہ
یت ہر جگہ جانے کی آزادی ہے، انہوں نے کہا کہ
آن پاک کی یہودیوں کے قتل سے متعلق آیت کا حوالہ
گیا ہے وہ حال سے متعلق نہیں بلکہ مستقبل میں ہونے
لے حالات کے بارے میں ہے اس قسم کی تعلیم یہودی
لمی اداروں میں بھی دی جاتی ہے۔

ایران نے اس الزام کو مسترد کر دیا ہے کہ ایران
قاعدہ ارکان کے خاتمے میں ناکام رہا ہے اور کہا کہ
ضی میں خود امریکا القاعدہ کی مدد کرتا رہا ہے جس پر اس
دونیا سے معافی مانگنی چاہئے، ایرانی وزارت خارجہ کے
رجمان آصف رضا آصفی نے صحافیوں کو بتایا کہ ہم ملک
ں القاعدہ ارکان کو تلاش کر رہے ہیں، قیدیوں میں بھی
یسے ارکان کی شناخت کی جاری ہے اور اس میں ہمیں
کسی بیرونی معاونت کی ضرورت نہیں ہے، انہوں نے
ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے معاہدے کی اضافی شق پر
دستخط کرنے کے لئے عالمی رہنماؤں کے بیان کو مسترد
کر دیا اور کہا کہ اگر روس کو اس بارے میں کوئی فکر ہے تو
ہم اس پر روس سے بات کرنے کو تیار ہیں، پہلے
پابندیوں کا معاملہ حل ہونا چاہئے، جب تک مغرب این
پی ٹی میں بیان کردہ اپنی ذمہ داریوں کا احترام نہیں کرتا
ہم کسی دوسرے بین الاقوامی معاہدے پر دستخط نہیں
کریں گے، انہوں نے امریکا کو دعوت دی کہ وہ بھی
ایران کے جوہری بجلی گھروں کی تعمیر کے لئے ٹینڈر
دیدے تاکہ واشنگٹن کے اس خوف میں کمی آسکے کہ
ایران جوہری بم بنا رہا ہے، انہوں نے امریکا کے ان
شبہات کو بھی مسترد کر دیا ہے کہ ایران یورینیم کو افزودہ
کر رہا ہے تاکہ ایسا ایندھن مہیا کیا جاسکے جو جوہری بم
بنانے کے لئے موزوں ہے، انہوں نے کہا کہ امریکا کو
واقعی ایران کے جوہری پروگرام پر تشویش ہے تو وہ
ہمارے ملک میں جوہری بجلی گھروں کی تعمیر میں شامل
ہوسکتا ہے، انہوں نے کہا کہ القاعدہ کا پرتشدد نظریہ
اسلامی جمہوریہ ایران کے نظریہ سے بالکل مختلف ہے۔

ملیشیا کے وزیر اعظم مہاتیر محمد نے امریکا اور یورپ کی
نئی آبادیاتی پالیسیوں پر سخت تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ
پالیسیاں خطرناک ہوتی جارہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ
امریکا اور یورپ سمیت آسٹریلیا نے ترقی پذیر ممالک
کے خلاف ایک ختم نہ ہونے والی جنگ شروع کر دی ہے۔
انہوں نے کہا کہ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ میں ہونے والے حملے کے
ردعمل میں پرانی طرز کی ظالمانہ حکمت عملی اختیار کی گئی
ہے۔ ان کے بقول دہشت گردی کے خلاف جس جنگ کا
آغاز کیا گیا ہے اس کا نشانہ صرف مسلمان ممالک ہی بنے
ہیں چاہے وہ اس جرم کے ذمہ دار ہوں یا نہیں، انہوں
نے امریکہ کی جانب سے مسلمان ملکوں میں حکومتیں
تبدیل کرنے کے پروگرام پر سخت تنقید کی۔

ایک برطانوی رکن پارلیمنٹ نے کہا ہے کہ عراق
میں ۲۰۰۰ سے ۱۷۰۰۰ ایسے برطانوی بم بکھرے پڑے
ہیں جو ابھی تک نہیں پھٹے ہیں برطانوی اخبار کے مطابق
لینڈ مائین ایکشن نامی ایک تنظیم نے کہا ہے کہ جنگ
کے دوران امریکہ اور برطانیہ نے عراق پر ۳ لاکھ بم
گرائے جس میں کافی تعداد میں ایسے بم ہیں جو ابھی
تک نہیں پھٹے اکثر کلسٹر بم ہیں اور شہروں اور دیہاتوں
میں پھیلے ہوئے ہیں جہاں بچے انہیں اٹھا سکتے ہیں اور بم
آسانی سے پھٹ سکتے ہیں اقوام متحدہ کی ایک ایجنسی کا
کہنا ہے کہ جنگ ختم ہونے کے باوجود سینکڑوں بچے ان
کلسٹر بموں کے پھٹنے کی وجہ سے ہلاک ہو سکتے ہیں۔

آسٹریلیا کے وزیر اعظم جان ہاورڈ نے عراق پر
جنگ کے دوران غلط خفیہ رپورٹوں کی بنیاد پر امریکی
سالاری میں آسٹریلوی فوجی دستوں کی شمولیت کو جائز
قرار دینے پر معافی مانگی ہے، ہاورڈ نے پارلیمان سے
خطاب کے دوران عراق کے لئے فوج روانہ کرنے کے
لئے ان دعوؤں کا حوالہ دیا تھا جن میں کہا گیا تھا کہ عراق
نے ایک افریقی ملک نائجر یا سے یورینیم خریدنے کی
کوشش کی تاہم عراق پر عائد کردہ تمام الزامات اب غلط
ثابت ہو چکے ہیں، جان ہاورڈ نے ملکی پارلیمان کو گمراہ
کرنے پر معافی طلب کی اور کہا کہ انہوں نے دانستہ طور
پر پارلیمان سے غلط بیانی نہیں کی تھی۔ ہاورڈ نے مزید کہا
کہ اگر خفیہ ایجنسیاں انہیں تمام شکوک سے باخبر کر بھی
دیتیں تو بھی آسٹریلوی فوج کو عراق بھیجنے کے فیصلے میں
تبدیلی نہ کی جاتی۔ آسٹریلیا کی حزب اختلاف لیبر پارٹی
کا کہنا ہے کہ ملک میں قومی سلامتی سے متعلق پیدا ہونے
والے مسائل کے موقع پر وزیر اعظم ثابت قدمی کا مظاہرہ
کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

• • •